OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۴۳ آ۸ Accession No. ۴۲۹۰۸

Author . آرٹس مجموعہ آل رضویہ

Title ارمغان

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلۂ ہندوستانی دارالاشاعت
نمبر ۳

ارمغان

نتیجۂ تخیل

آنسہ محمودہ رضویہ

مصنفۂ

"دانہ" "لالہ زار" "نامۂ تہدید" و "سوز و ساز"

۸٫۹۱۴۲۳۸
آ ا

و

مدیرۂ رسالہ ہندوستانی

انجمن ترقی اردو، کراچی

در وفا چوں شمع با غم جانگدازی میکنم
درد بیدرمان خود را چاره سازی میکنم

ارمغاں

نتیجۂ تخیّل

محترمہ آنسہ محمودہ صاحبہ رضویہ

۳۱ر دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء

بار اوّل   قیمت ڈیڑھ روپیہ

بہ اہتمام آصف جاہ کاروانی ایم۔ اے
ہندوستانی دار الاشاعت انجمن ترقی اُردو کراچی سے شایع ہوا

(جملہ حقوق بحق مصنّفہ محفوظ)

ھ
۲۹۰۸

۸۹۱۵۴۳۸
ر آ

انتساب

اہلِ سندھ کی اُردو کُشی و ادب سوزی کے نام

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱	تمہارے بعد	۷	۱۳	مریض	۳۰
۲	تلاشِ ناکام	۸	۱۴	گلِ خزاں رسیدہ	۳۱
۳	خودکشی	۱۰	۱۵	نغماتِ پرسوز	۳۳
۴	قاصِد	۱۲	۱۶	نالۂ بے اختیار	۳۵
۵	منزلِ مقصود	۱۴	۱۷	نغماتِ حیات	۳۷
۶	یوم رفتہ	۱۶	۱۸	ماہِ شب تاب	۳۸
۷	دخترِ ہند	۱۸	۱۹	دہشت	۴۱
۸	دل گرفتہ بادلو!	۱۹	۲۰	جرمِ غربت	۴۳
۹	شہابِ ثاقب	۲۳	۲۱	روئداد حیات	۴۵
۱۰	شعاعِ آزادی	۲۴	۲۲	پکار	۴۷
۱۱	عہد رفتہ	۲۶	۲۳	اعتراف	۴۸
۱۲	افسانہائے ماضیہ	۲۸	۲۴	نغمۂ آزادی	۵۱

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۲۵	پروانہ سے	۵۲	۴۱	بیاضِ دل	۸۰
۲۶	شیاما سے	۵۴	۴۲	محوِ گریہ کلیو!	۸۲
۲۷	محفلِ عندلیب	۵۶	۴۳	نیند کی دیوی	۸۴
۲۸	مسئلۂ حیات	۵۸	۴۴	حکایتِ دل	۸۵
۲۹	کس نے؟	۶۰	۴۵	گریۂ پیہم	۸۷
۳۰	شعلۂ آتشیں	۶۲	۴۶	اپنی "محبت" سے	۸۹
۳۱	سکوتِ نیم شب	۶۴	۴۷	فردا سے	۹۱
۳۲	تبسم	۶۵	۴۸	ماں	۹۳
۳۳	شمع سے	۶۶	۴۹	خوابوں کے جزیرے	۹۵
۳۴	کشاکشِ حیات	۶۸	۵۰	جستجوئے سکون	۹۶
۳۵	آخری تحفہ	۷۰	۵۱	لمحۂ نشاط آگیں	۹۸
۳۶	گوشۂ عافیت	۷۲	۵۲	مادرِ ہند	۱۰۰
۳۷	وادیٔ تصور	۷۴	۵۳	راہبر	۱۰۲
۳۸	کب تک؟	۷۵	۵۴	دل کی کلی	۱۰۴
۳۹	خطاب بہ لحد	۷۶	۵۵	انقلاب	۱۰۶
۴۰	سازِ شکستہ	۷۹	۵۶	سرسراتے ہوئے جھونکو!	۱۰۸

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۵۷	میدان حرب	۱۱۰	۶۷	مسرت سے	۱۲۶
۵۸	اُفق تقدیر	۱۱۲	۶۸	سنسناہٹ	۱۲۸
۵۹	انسان	۱۱۴	۶۹	پژمردگی	۱۲۹
۶۰	پوشیدگی	۱۱۵	۷۰	میں نہیں جانتی!	۱۳۱
۶۱	شاعر	۱۱۷	۷۱	فرشتہ	۱۳۲
۶۲	اے کاش	۱۱۹	۷۲	سوز ناتمام	۱۳۴
۶۳	تسلط خزاں	۱۲۰	۷۳	ساعتِ مسرت	۱۳۵
۶۴	کشتی طوفان زدہ	۱۲۲	۷۴	اوراق کیلنڈر	۱۳۷
۶۵	خاتون	۱۲۳	۷۵	سالِ نو	۱۴۰
۶۶	موسیقی	۱۲۵			

"تمہارے بعد"

اپریل کی حسین اور چمکیلی صبح ہے۔ آفتابی کرنیں نوشگفتہ غنچوں کے ساتھ کھیل رہی ہیں اور اکنافِ چمن، نسیمِ سحر کے عطر بیز جھونکوں سے مخمور ہیں۔

ہر چہار طرف طمانیت کا دور دورہ ہے اور حیاتِ نو کی حلاوت لیکن میں۔ آہ! میری زندگی تو اب بھی ایک بے رونق صبح کی طرح ہے۔ خاموش اور افسردہ، جیسے حد سے بڑھکر کھلے ہوئے پھول کی پنکھڑیاں بکھر جاتی ہیں۔

تمہارے بعد! مجھے حسنِ چمن پھیکا نظر آتا ہے اور صبح کا پیارا پیارا چہرہ مرجھایا ہوا۔

کائنات پر شام کی سرخی چھا گئی۔ آفتاب کھجور کے درخت کے پیچھے غروب ہو رہا ہے اور فضا پر غلبۂ کیف و سرور ہے۔

ہر شے پر لرزشِ حیات طاری ہے جیسے ہوا کے جھونکوں

سے اشجار کی نرم شاخیں جھوما کرتی ہیں۔

لیکن میرے لئے تو یہ شام بھی۔ خزاں کی افسردہ سہ پہر سے کم نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذرہ ذرہ غرقِ محن ہے۔ اور دنیائے چمن بے رونق ...... غنچے سسک رہے ہیں اور پتے محوِ فغاں

تمہارے بعد مجھے ہر لذت ہم آغوشِ درد معلوم ہوتی ہے اور نالۂ احساس سے پاش پاش۔

نیلگوں آسمان پر شوخ ستارے چمک رہے ہیں چاند سمندری لہروں سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے اس کی چاندنی سکون آمیز ہے اور روح پرور...... پر نہ معلوم کیوں؟ مجھے محفلِ انجم مدھم نظر آتی ہے اور چاند کا حسین چہرہ زرد زرد رات خاموشیوں کی بستی ہے اور اداسیوں کا مسکن

تمہارے بعد تو میرا جذبۂ احساس ہی کچل کر رہ گیا۔ اب ایک بیکار وجود ہے اور دیوانے کے خواب کی طرح پریشان روح۔

تلاشِ ناکام

شب کے سناٹے میں جب دیوار پر سائے متحرک ہو جاتے

ہیں جیسے جنات ہیولانی چل پھر رہے ہوں اور شیشم کے درخت
ہم آواز ہو کر چیخنا شروع کر دیتے ہیں۔

زرد چاند اک کفن میں لپٹی ہوئی نعش کی طرح نظر آتا ہے
اور ستارے پردۂ سحاب ہٹا کر مغموم انداز سے جھانکتے ہیں

تو میری روح عالمِ خیال کے راستوں پر پرواز کرنیکو بیقرار
ہو جاتی ہے اور غیر مرئی وادیوں میں تمھاری تلاش کرتی پھرتی ہے
پر آہ! تم اُسے وہاں نظر نہیں آتیں نہ ہی کوئی نشانِ
خاکِ پا ملتا ہے جس سے تمھارے قیام کا کچھ اندازہ ہو سکے

آہ! میری روح!! ملول و ناکام!!! بھٹکتی ہوئی واپس آجاتی ہے

پھر! جب خواب کی حسین ملکہ مجھے اپنے لبادے میں چھپا
لیتی ہے تاکہ کشاکشِ حیات کو کچھ دیر کے لئے بھول جاؤں اور
اس کی تلخیوں کو فراموش کر سکوں۔

لیکن آہ! میری شوریدہ بختی!! کہ مایوس تمنا روح کو
تو اب بھی قرار نہیں۔ وہ تمھاری جستجو میں فضاؤں میں چکر کاٹتی ہے
اس غریب الوطن پرند کی طرح! جس کا کہیں مسکن ہو نہ ٹھکانا۔

وہ ایک ایک کنج میں ڈھونڈھتی پھرتی ہے۔ پر آہ!
تم تو کہیں بھی نظر نہیں آتیں اور نہ ہی تمھاری کوئی یادگا

اپنی حرماں نصیبی پر وہ اس طرح بیچین ہو جاتی ہے جیسے ساز کے پُرسکوت تاروں میں متلاطم نغمہ!

اور پھر! میری مایوس و افسردہ روح!! وہ ناکام واپس آجاتی ہے۔

محض تمھاری شیریں یاد کا سہارا لئے اور بازیافت کے بھروسے پر۔

خوشی

کہا جاتا ہے کہ زندہ رہنے کے لئے خوشی اک امر لازمی ہے۔ ایسی خوشی! جو رنج کی گھڑی بھی اپنے تصوّر میں ہی گزار دے

کہتے ہیں کہ قدرت ہر وقت متبسم رہتی ہے اور مسرورِ مجسّم ہوا فرطِ مسرت سے اٹکھیلیاں کرتی چلتی ہے۔ پتّے شوخی سے تالیاں بجاتے ہیں۔ چاند ہنستا ہوا نکلتا ہے اور اپنی سُہانی چاندنی میں سب کو لپیٹ لیتا ہے اور پہاڑ بادلوں سے دھیمی دھیمی سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں

لیکن کون کہتا ہے کہ قدرت رنج والم سے بے نیاز ہے

ورنہ بادلوں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو کیوں گرتے ہیں؟ ہوا کے جھونکوں پر غم کا عنصر کس لئے چھا جاتا ہے۔ پتے ساکت ہو جاتے ہیں۔ چاند کی زردی بڑھتی جاتی ہے اور حسین چاندنی اُداس اُداس!!

یہ صحیح ہے کہ سمندر کی الھڑ موجیں پوری طاقت سے بڑھتی ہیں قہقہے لگاتی بڑھتی جاتی ہیں۔ ساحل کو گیت سناتی ہیں اور چٹانوں سے کھیلتی ہیں .... اور وقتِ معینہ پر واپس لوٹ جاتی ہیں۔ مسرور و شاد شاد!!

لیکن اس حقیقت کو کیوں کر جھٹلایا جا سکتا ہے کہ کبھی موجیں حالتِ رنج و الم میں طوفان بپا کر دیتی ہیں جھاگ بہا بہا کر اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہیں اور آخرکار تہہ و بالا ہو جاتی ہیں

اکثر یہ کہہ کر تسلی دی جاتی ہے کہ "اگر موسم سرما آسکتا ہے تو بہار کیا کہیں دور رہ گئی؟" ...... لیکن اس پر بھی کبھی غور کیا جاتا ہے کہ بہار کے بعد خزاں کس انداز سے آتی ہے... افسردہ سا ماحول لے کر اور بلائے جان بن کر ..... پتے شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ علیحدہ ہو جاتے ہیں اور پرندے آشیانوں میں نہاں۔

تر و تازگی کی بجائے بے سر و سامانی چھا جاتی ہے اور عیش و مسرت کی جگہ رنج و کلفت۔

آہ! جب ناسازگیٔ روزگار، کوہِ عظیم تک کا قلب چُور چُور کر دیتی ہے اور وہ اپنے غم و غصّہ کا اظہار بڑے بڑے پتھر لڑھکا کر کرتا ہے

موسم پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تو انسان کی تو پھر ہستی ہی کیا ہے۔

قاصد!

دہر کی ہنگامہ زائیوں سے بے نیاز چلا جا رہا ہے یعنی — میں کھویا کھویا اور اپنی ہی دُھن میں مستغرق! امروز میں اس کے لئے کوئی کشش ہے اور نہ فردا میں کسی قسم کی دلچسپی! بس اک ادائے فرض و خیال ہے جو جانِ ناتواں کے لئے سوہانِ روح ہے اور ملجا و ماوائے حیات۔

بہار کی پُر سرور صبح ہو یا خزاں کی بے کیف دوپہر! بیمار کی کراہ جیسا اُداس موسم ہو یا برگِ خزاں کی طرح پژمردہ ماحول۔

یہ دنیا و مافیہا سے بے خبر چلتا جاتا ہے۔ ہوا کے

شوریدہ جھونکے کی طرح! اِدھر آیا اور اُدھر غائب بھی ہو گیا۔

اس کے نغمے سے پُشتارے میں شگفتہ قہقہے پوشیدہ ہیں اور اضطرار کی بجلیاں نہاں! آس کی لہریں ہیں اور یاس کے چھینٹے! یہ آہوں کا دُھواں لئے بڑھتی ہے اور مسرتوں کا خزینہ بھی

مجھے تو اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ قدرت اس کے پہلو میں دل رکھنا بھول گئی ورنہ اس قدر بے حسی! ایسی بے نیازی کہ نہ آنسوؤں کا طوفان سے مغموم کر سکتا ہے اور نہ مسرتوں کا انبار مسرور

اللہ! میں گھنٹوں سوچتی ہی رہ جاتی ہوں کہ آخر اس کی اصلی حقیقت کیا ہے۔

صبح کو آفتاب کے ساتھ ساتھ اس کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں بھی جاری رہتا ہے اور شام کے دھندلکے میں۔ جب سب اپنے اپنے مساکن کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں تب بھی یہ کائنات کی وسعتوں میں پھرتا رہتا ہے رات کے تاریک سایوں میں پرواز کرتے ہوئے پرند کی طرح جس کا نہ کہیں ٹھکانا ہو اور نہ آشیانہ۔

لیکن ان تفاوتوں کے باوجود شاعر نازک خیال اس کا منتظر ہے اور فصحا و ادبا اس کے مرہون کرم۔

کوئی شادشاد ہو یا افسردہ و ساکت! یہ ہر ایک کے لئے ماہِ شوّال بن کر آتا ہے۔ گیت کی طرح سُہانا اور قوس و قزح کی سی دل فریبیاں لئے ہوئے۔

اور میرے لئے تو اِس کی آواز! اس نقرئی گھنٹی سے کم نہیں جو سحر کے سُہانے وقت میں مندروں میں بجا کرتی ہے اس کے قدموں کی آہٹ پر روح کے خوابیدہ ساز بجنے لگتے ہیں اور اُس کے لائے ہوئے رقعات حامل "لطفِ ملاقات" ہیں۔

اللہ! میرے لئے تو وہ دولتِ کائنات سے بھی قیمتی ہیں اور خستگیِ حیات کا بہترین علاج!

منزلِ مقصود!

کسی مصیبت زدہ کی کہانی سے بڑھ کر کون سا قصّہ دلگداز ہے۔ ماجرائے بلاکشاں! جس کا فقرہ فقرہ پُر تاثیر ہے اور ایک ایک جُملہ افسردگیاں چھپائے ہوئے۔

لیکن یہ اُس مسافر کی حالت سے زیادہ اندوہ گین نہیں جو دشت و صحرا کے سفر سے تھک کر چور چور ہو چکا ہو اور نوکیلے

کانٹوں سے آبلہ پا۔ منزل مقصود کے سامنے پہنچ چکا ہو لیکن انچ بھی آگے بڑھنے کے ناقابل! نگاہِ یاس سے تکتا رہے لیکن نہ اتنی ہمت رہی ہو اور نہ اس قدر سکت۔

اللہ! کیسا ناکام ہے وہ بدنصیب! جو وطن میں بھی مسافر ہو کر رہ جائے۔ جس منزل کے حصول کیلئے نہ دن کو دن سمجھا ہو اور نہ رات کو رات! اس کے سامنے ہو لیکن پھر بھی اس سے دور۔

اس انسان سے زیادہ دل شکستہ کون ہوگا جس نے اپنی آرزوؤں کے غنچے کو خون سے سینچا ہو۔ اس کے بڑھنے کا ایک ایک لمحہ گن رہا ہو لیکن ہوا کا ایک ہی جھونکا اسے گرا دے۔ ٹہنی سے الگ کر دے اور اس کی پنکھڑیوں کو منتشر۔

منزلِ مقصود کی قدر اُس سے پوچھو! جس کی اُبھرتی ہوئی آرزو دفن ہو کر رہ گئی ہو اور دنیائے اُمید ملیامیٹ۔

یا پھر وہ دمِ واپسیں مسافر! جو حیات کی ہر بازی میں ہارتا آیا ہو۔ جس کی تقدیر کا پالنہ ہر بار سمتِ مخالف میں گرتا رہا ہو لیکن اب جب کہ بابِ قبول کے وا ہونے کا وقت آیا اور کشاکشِ حیات سے نپٹنے کا لمحہ! تو فرشتۂ موت بھی اپنی آمد آمد کا اعلان کرتا ہے۔

اس غریب کے ولولے دل ہی میں رہ جائیں گے ۔
منزلِ مقصود پر پہنچ کر بھی کھو دینے کا صدمہ کیا کم ہے اور وہ
بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ۔

یومِ رفتہ

طول وطویل دن ختم ہو چکا ۔ رات بلندیوں سے
جھانک رہی ہے تاکہ بقیۃ السیف روشنی کو بھی آہستہ آہستہ جذب کر لے ۔
دور جھاڑیوں میں کرمکِ شب تاب جھلملا رہے ہیں
یا کہیں برقی لیمپ کی مدھم سی جھلک نظر آجاتی ہے ۔
ناسازگار موسم کی ہوا سے پتّے سوکھ گئے ہیں اور
ننھی ننھی کلیاں منتشر ۔
میری روح پر بے پایاں اُداسی چھا رہی ہے ایسی
اُداسی! جو مسرّتوں کو اسطرح جذب کر لیتی ہے جیسے اُجالے کو
اندھیرا نگل جاتا ہے ۔
کاش! میں قلبی بے چینیوں اور یومِ رفتہ کی یاد کو
فراموش کر سکوں ، نیز ان تلخیوں کو بھی جو گزرا ہوا دن اپنی

یادگار کے طور پر چھوڑ گیا ہے ۔

چاند کا عکس جھیل کے پانی میں ناچ رہا ہے تارے حسب معمول جگمگا رہے ہیں اور شوریدہ جھونکوں کی چھیڑ چھاڑ جاری ہے ۔

وہی ماحول ہے اور وہی فضا ! پر میرا دل ناتوانی کے سمند میں خود بخود ڈوب رہا ہے جیسے احساسات کی باریکیوں کی تاب نہ لا سکتا ہو ۔

لیکن آج میں ان تفکرات سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں ۔ دہر کے آلام کو کچھ دیر کے لئے الوداع کہنے کو تیار ہوں اور یہاں کی کلفتوں کو خیرباد ۔

شب کے سائے تاریک تر ہوتے جاتے ہیں اور میرا ارادہ مستحکم ! ستارے آسمانی پہنائیوں میں لرزاں ہیں ۔ اور میرے افکار فضاؤں میں جنباں ۔ یوم رفتہ ۔ آہ !

کاش ! میں اس کی شورشوں اور الجھنوں کو بھول سکوں ۔ اس کے تردّدات اور آلام سے بے نیاز ہو سکوں اور اس کے ہست و بود سے بے پروا ۔

دخترِ ہند

• سورج اُفقی لکیر پر جھکتا جھکتا غائب ہو گیا۔ لانبے لانبے سائے سیاہی مائل ہو رہے ہیں۔ کائنات پر بے پناہ خنکی چھا رہی ہے خونِ قلب کو منجمد کر دینے والی خنکی۔

ایسے وقت میں اک حالِ نزار لڑکی۔ فرشِ خاک پر بیٹھی ہے۔ تنِ لاغر بوسیدہ سے کپڑوں سے ڈھکا ہے اور گیسوئے خمدار گرد و غبار میں اٹا اٹا۔

پریشان جبیں۔ اذیتِ قلبی کا پتا دیتی ہے۔ حرکاتِ غیر اضطراری روحانی خلشوں کی شاہد ہیں اور حسین چہرے کی زردی مفلسی کی مہر ثبت کر رہی ہے۔

اللہ! بیکس دخترِ ہند!! اس کے احساسات کی بڑھتی ہوئی کونپلیں جھک جھک گئیں اور خوابوں کے پھول پنکھڑیاں پھڑ پھڑا کر غائب ہو گئے۔

لیکن وہ اب بھی حسرت سے ایک ایک کا منہ تک رہی ہے، جیسے پاس کے خونی تیر دلوں کی بوچھار میں بھی منتظرِ آس ہو۔ دستِ نازک بھیک کے لئے پھیلا ہوا ہے اور

حسین آنکھوں میں چشمۂ الم نہاں۔ اضطراب کی بڑھتی ہوئی لہریں ہیں اور خاص و عام کی گھُڑکیاں۔

رات مسلط کائنات ہو چکی۔ ہر آنے والا جھونکا روح پر کپکپی طاری کر دیتا ہے جیسے خاموشی کے سینے پر ایک تیز نشتر چل پڑا ہو۔

لیکن وہ مظلوم لڑکی ابھی منتظر کرم ہے تا کہ دن بھر کی تکالیف کی کچھ اشک شوئی کر سکے۔

معصوم دختر ہند! تجھے معلوم نہیں کہ تیرے ہم وطن جذبۂ احساس کھو بیٹھے۔ غلامی کی زنجیروں نے انھیں خود فراموش بنا دیا ہے اور بیگانہ از خرد و ہواس۔ تیرے ننھے سے دل کی دھڑکن ان کی حسّ حیات تیز کرنے سے عاری ہے اور روح خوابیدہ کو بیدار کرنے کے ناقابل۔

دل گرفتہ بادلو!

بادل گرفتہ بادلو! تم اس قدر بے قرار کیوں ہو رہے

ہو۔ آہستہ خرامی کی جگہ تیز روی نے لے لی اور شوخیوں پر حسرتیں چھا رہی ہیں۔ گردش گردوں باعثِ انتشار ہے یا نیلگوں گہرائیوں میں کوئی چیز کھو گئی ہے۔

یہ موسمِ سرما کے سے سمندر کی تیزی اور فاختہ جیسی سبک رفتاری کیوں ؟

دِن بھر کے رفیق آفتاب کی فرقت تو بیتاب نہیں کر رہی یا اِسے لحدِ مغرب میں اُترتا دیکھ کر یوں ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ آفتاب کے ساتھ ساتھ تمھاری زندہ دلی کیوں دفن ہو کر رہ گئی ؟

بیقرار بادلو! نظمِ کائنات تو یہ ہے کہ جرعاتِ تلخ سے لبریز جام کو لبوں تک لاؤ لیکن ہمّت و بہادری کے ساتھ۔ عناصرِ قدرت کی تیکھی چتون کا جوانمردی سے مقابلہ کرو اور اپنی ہستی کو اُس کی خوشنودی کے لئے مٹا دو جلا دو اور کائنات کی وسعتوں میں خاکستر۔

ننھے ننھے حسین تارے تمام رات جگمگاتے ہیں بھٹکتے ہوئے مسافروں کے راہنما بن کر اور عروسِ شب کی ردائے عنبریں کی آرائش۔

لیکن جب وہ وقت آتا ہے جس کے انتظار میں
اُن کی پلک تک نہ جھپکی تھی یعنی صباحِ رنگین سے لطف اندوزی
کا تو پہلی شعاعِ آفتاب ہی احکامِ روپوشی صادر کر دیتی ہے اڈھر
اور شوریدہ موجیں اک عالمِ بیقراری میں بڑھتی ہیں ساحلِ سمندر
سے ملنے کو تمام مصائب پھاندتی آتی ہیں لیکن اللہ! اللہ!!
بے نیازئ ساحل!!! انھیں سر ٹکراتے دیکھ کر بھی متاثر نہیں ہوتا
انھیں پاش پاش ہوتے دیکھ کر بھی ویسا ہی سنگدل ہے اور بے پروا
الم رسیدہ بادلو! کائنات کا ہر نیا ورق ہی نمودِ
انقلاب ہے ورنہ لفظ "کُن" کی تفسیر ہی کیونکر ثابت ہو۔ نغمۂ حیات
کی اضطراری لے تو ہر وقت فضاؤں میں منتشر رہتی ہے خواہ
مدھری جھنجھناہٹ بن کر یا نوحۂ پُر الم۔

لیکن جس طرح ہر تاریکی کے بعد درخشانی یقینی
ہے اسی طرح دُکھ کے بعد سُکھ کا بھی وقت آتا ہے

یہ کرب و بے چینی! آخر کبھی تو ختم ہی ہو گی پھر
وہی رفاقتِ رفیق ہو گی اور وہی دلچسپیاں۔

دامنِ اُفق سے مہر عالمتاب آخر تو جھانکے گا
ہی۔ دہر کو حیاتِ نو بخشنے کے لئے۔

اُس وقت نیم جان بادلو! تمھاری کھوئی ہوئی
طاقت بھی عود کر آئے گی جس طرح تشنہ زمین کو قطراتِ
بارش از سرِ نو تازگی عطا کرتے ہیں۔
شب بھر ماہِ عالمتاب گھُلتا ہے تو دہر کو روشنی
نصیب ہوتی ہے اگر شمع نہ جلے تو پروانے کہاں سے آئیں؟ ہر شئے
کا کچھ آغاز ہی ہوتا ہے تو انجام پر بھی نگاہ کی جاتی ہے۔
تمھاری یہ وارفتگی ہی دلیلِ حیات ہے اُڑتی
ہوئی ریت کی طرح پریشانی ہی طالب کو مطلوب سے مِلا دیتی ہے
بھولی ہوئی منزل راہی کو تب ہی یاد آتی ہے جب نئی نئی دلچسپیوں
میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی
آشفتہ نوا بادلو! اگر شب کے بعد سحر آ سکتی ہے
تو طلوعِ آفتاب بھی یقینی ہے اور نمود کائنات کیلئے ضروری
اس لئے اس قدر بیقراری برپا رہے
کہ دامنِ اُفق کو بھی سُرخیٔ خونِ قلب سے لالہ زار بنا دیا جائے

شہابِ ثاقب

رات کی ساعتیں شعلہ بداماں تھیں۔ فضا پر ہلکی ہلکی لرزش طاری تھی جیسے غیر مرئی روحیں کُنج کُنج کی سیر کرتی پھر رہی ہوں اس پُرسکوت وقت میں محفلِ انجم گرم تھی دھیمی دھیمی سرگوشیاں ہو رہی تھیں جو بڑھتے بڑھتے شوخ قہقہوں میں تبدیل ہو جاتیں۔

یکایک ایک ننھے سے شہابِ ثاقب نے اپنی جگہ سے حرکت کی گویا کوئی نئی تحریک پیش کرنے لگا ہو۔

لیکن دوسرے ہی لمحے اپنی کپکپاتی ہوئی دُنیا سے نیچے کی طرف گرا اور فضاؤں کو چیرتا ہوا غائب از نظر ہو گیا جیسے اندھیرے کے سینے پر نشتر چل پڑا ہو۔ اب اُس کی ضوفشانی مفقود تھی اور جُملہ تابانی نہاں۔

جہانِ فانی میں ہماری مثال بھی شہابِ ثاقب سے کم نہیں۔ آسمانِ حیات پر ہستی کا نور جگمگاتا رہتا ہے بڑھتی ہوئی شہرت اُسے تاباں کر دیتی ہے اور معصومیت حدِ امکان تک درخشاں۔

لیکن جب فرشتۂ موت کا بُلاوا آتا ہے تو اس لطیف نور کو خیرباد کہنا پڑتا ہے اور جملہ دلچسپیوں کو الوداع ۔ ہستی قبر کی گہرائیوں میں پنہاں ہو جاتی ہے جیسے کوئی ستارہ آسمان سے ٹوٹے اور زمین پر پہنچتا پہنچتا فضا میں گھُل کر رہ جائے ...... اس کے باوجود لوگ زندگی کو اس قدر اہم سمجھتے ہیں اور قدرت کا سب سے بڑا کارنامہ ۔

شعاع آزادی

موسمِ خزاں کے ملگجے سے دھندلے آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں۔ دم بخود صورتِ بیمار! شعلہ ہائے آہ کو اشکوں سے بجھانے میں محو۔ جیسے اس قوم کی بیچارگی پر از خود رمیدہ ہوں جس کا حقِ آزادی غلامی کی قابلِ نفرت ساحرہ نے سلب کر لیا ہے ۔

لیکن ہو سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ان آسمانی دریچوں سے کبھی آزادی کی حسین دیوی بھی جھانک لے۔ ان الم رسیدہ اور گرفتارِ قفس انسانوں کو اپنی جھلک دکھا دے، جن کے

ربط ہائے ہستی کے تار حسرتوں نے توڑ دیئے۔ جن کی روحیں غلامی
کے بوجھ سے دبی جا رہی ہیں اور دل اس قابلِ نفرت احساس
کی تاب نہ لا کر چور چور ہیں

جب ہر تاریک بادل کے پیچھے چمکتا ہوا سورج موجود
ہے تو یہ شبِ دیجور کی سی سیاہی کب تک؟

اور یہ فضاؤں میں معلّق درد میں ڈوبی ہوئی
پکار؟ ...... جیسے رباب کے تار ٹوٹ کر اسکے نغموں کو جھنجھنا دیتے ہیں

اُفق کی گہرائیوں سے سپیدۂ سحر نمودار
ہو گیا۔ پیامِ حیاتِ نو لانے والا سپیدہ!

اب ابر آلود آسمان ظلمت کے بادلوں سے چھٹکارا پائے گا
غلامی کے خوفناک پنجے کی آہنی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی
اور! اور! حبِّ وطن کا جذبہ ذوقِ آزادی تک بڑھ جائے گا
پہلی شعاعِ آفتاب نے کائنات کو اک نئے رنگ میں رنگ دیا
مرغانِ چمن نشیلے اور روح پرور گیت گا رہے ہیں۔
ہر شئے تازہ دم ہے اور فرطِ مسرت سے گلنار۔
مقدّس معبود! یہ شعاعِ آزادی تو نہیں؟!!
یہ پہلی شعاعِ آفتاب!!!

عہدِ رفتہ

رات سائیں سائیں کر رہی ہے چاند نے بادلوں میں منہ چھپا لیا اور مستِ خرام ہوائیں اُداس ہیں۔

کائنات کسی گہرے فکر میں ڈوبی ہوئی ہے اور میں عہدِ رفتہ کے لئے غرقِ یمِ خیال۔

وہ عہدِ رفتہ! وہ منظرِ خواب جیسا جمیل عہد!! جب ہر صباحِ نو اپنے ساتھ مسرّتوں کے انبار لاتی تھی جب دیروز ہنگامۂ تزئین تھی اور امروز دیباچۂ کامرانی۔

اور فردا! حسین و جمیل فردا!! اپنی جملہ رعنائیوں کو اور بھی چمکاتے ہوئے عالمِ شہود پر چھا جاتی تھی۔

تب کائنات اک وسیع بربط تھی۔ نشیلے گیتوں کا مجموعہ اور نشاط آفریں نغمات سے معمور۔

امتدادِ زمانہ نے اُس کے تارہائے کیف آگیں کو بوسیدہ نہیں کیا تھا اور نہ سالخوردہ دھر کے جھرّیوں والے ہاتھ اُس کے درپئے آزار تھے۔

تب زندگی اک سُہانا سا خواب تھی۔ اپنی تعبیر

سے بھی بڑھ کر جمیل خواب !! مرکّب بہ کیف ونشاط ۔

حیات کے درد آگین افسانے اس پر اثر انداز نہیں ہوئے تھے اور نہ اُسکی تفسیر مشتمل بر کیفیت چند روزہ معلوم ہوتی تھی لیکن وہ عہد رفتہ ! وہ عہدِ خوش آیند تو اس طرح گزر گیا جیسے موسم بہار کا شباب جب کہ بلبلِ شیدا روئے گُل دیکھ کر سیر بھی نہیں ہوتی ۔

یا جس طرح کفِ دستِ ساقی جنبش میں آجاتا ہے ۔ جام عمر بھرپور ہونے سے پیشتر ہی

رات اُسی طرح پُرسکوت ہے اور چاند بادلوں کی گرفت میں !۔ ہوا کی سرسراہٹ سے دھیرے دھیرے کراہنے کی آواز آرہی ہے ! ــــ میری روح ! میری ناتوان روح، عالمِ خیال کی وسعتوں میں بھٹک رہی ہے اور عہد رفتہ کی تلاش میں از خود رفتہ ــــــ ہ

یوں ہی شبِ تنہائی میں   کُچھ دیر پہلے نیند سے
گزری ہوئی دلچسپیاں   بیتے ہوئے دن چین کے
بنتے ہیں شمع زندگی   اور ڈالتے ہیں روشنی
میرے دلِ صد چاک پر

افسانہائے ماضیہ

ماضی کے افسانے: یہ نہ بھولنے والی کہانیاں؟ جن سے نہ معلوم کس قدر لمحاتِ رنگین وابستہ ہیں۔ اور خواب ہائے جمیل پیوستہ۔

لیکن معبود! حقیقت ہوتے ہوئے بھی یہ پردۂ سراب معلوم ہوتے ہیں اور کتابِ حیات کے اوراقِ پارینہ پر اسطرح لرزاں جیسے کنول کے پھول پر اک قطرۂ حباب کانپ رہا ہو

ان مٹتے ہوئے حروف میں نہ معلوم کتنے مناظر نگاہوں کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں

وہ حسین و دلفریب مناظر! جن کی محض یاد ہی اب مقصدِ حیات ہو کر رہ گئی ہے۔

لیکن آہ! اسقدر برق آسا تیزی سے غائب ہو جاتے ہیں محض اپنا نقشِ پا، یادگارِ رونقِ محفل چھوڑتے ہوئے

اب چند ہلکے سے نقوش دل کی گہرائیوں میں چھپے رہ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی اپنے وجودِ رفتہ پر توجّہ دلانے اور قلب و جگر کو بَرمانے کے لئے۔

لیکن آہ عمرِ رفتہ! کہ ان دھندلے سے نقوش کو بھی معدوم کرنے میں کوشاں ہے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ صفحۂ دل سے محو کرنے کے درپے ہے۔

یہاں تک! کہ اک وقت وہ بھی آتا ہے جب ہم اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان افسانوں کا کبھی وجود بھی تھا یا نہیں؟

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی اصلیت محض "رفت گیا اور بود تھا" پر مبنی ہے۔ ہم فانی ہیں تو کیا ہوا ہمارے افسانے تو جاودانی ہیں

اور جب اجل ہمیں اپنے پُراسرار لبادے میں ڈھانپ لیتی ہے تو یہ از سرِ نو زندہ ہو جاتے ہیں جیسے تشنہ لب زمین سالہا سال کے بعد سیراب ہوئی ہو

اس عالمِ رنگ و بو میں یہ عکسِ دلفریب بن کر چھا جاتے ہیں اور اپنی حقیقت کو خوشبو بن کر فضاؤں میں بکھیر دیتے ہیں۔

مریض

خزاں کے دھندلے آسمان پر وہ ہر روز چمکتا۔ اُسکی مُسکراہٹ ایسی دلفریب تھی کہ ایسا معلوم ہوتا جیسے تمام کائنات دیوارِ قہقہہ بنی ہوئی ہے۔

کبھی تو وہ نیشکر کی جھاڑیوں کے پیچھے سے نکلتا کبھی سمندری موجوں پر سے آہستہ آہستہ اُٹھتا۔ اور کبھی اونچے پہاڑوں کے دامن سے اپنی تابانی دکھاتا۔

اُس کا حسین چہرہ! معبود کیسا تابناک تھا!! اور ضوفشاں!!! کہ میں بے اختیار دیکھے جاتی اور لگاتار دیکھنے کی متمنی رہتی۔

اور پھر وہ دن! جب وہ قمرِ چہاردہم بن کر چمک رہا تھا۔ ستارے رعبِ حُسن سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے اور لکّہ ہائے ابر اُس کے گرد چکّر کاٹ رہے تھے جیسے سفید پروں والے فرشتے حفاظت کر رہے ہوں۔

سمندری لہریں سُہانے سہانے گیت سُنا رہی تھیں اور چاندنی میں نہائی ہوئی کائنات نگاہِ شوق سے تک رہی تھی۔

وہ صانعِ قدرت کا حسین ترین مرقع تھا اور قلزم

حسن کی بے پناہ موج۔

یہ وقت بھی گزر گیا۔ اب اُس کی ضوفشانی کچھ مدّھم پڑ گئی تھی اور جگمگاتے ہوئے چہرے پر حسرت کا غلبہ تھا جیسے کوئی پوشیدہ سا غم اندر ہی اندر گھلا رہا ہو۔

اُس کی وہ افسردہ نگاہیں اور اُڑتی ہوئی رنگت! میں اکثر سوچا کرتی کہ کسی لغزش نے اِسے دربارِ خداوندی میں معتوب کرا دیا ہے۔ آہ! پھر وہ رات!! جب وہ اک جاں بلب مریض کی طرح سانس لے رہا تھا۔ تلملاتا ہوا دم توڑ رہا تھا اور صد سینہ چاک دہر کو خیرباد کہہ رہا تھا۔

یہ تھا اٹھائیسویں کا چاند جو تخیّلِ شاعر کا موضوع ہے اور اُس کے مضطرب دل کا مسکن۔

گلِ خزاں رسیدہ

آفتاب کی روپہلی کرنیں اک دلفریب انداز سے مُسکرا رہی تھیں۔ ننھی ننھی کلیاں آج غنچوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ بھونرے انھیں ساکنانِ چمن سے واقف کرا رہے تھے

اور تتلیاں فرطِ مسرّت سے چکّر کاٹ کاٹ کر رہ جاتیں۔

غنچے مسرور تھے کیونکہ وہ ناآشنائے خزاں تھے اور صیّاد کے نام سے بے خبر! نسیم سحر کی معمولی سی جنبش ان پر اک پُرکیف لرزش طاری کر دیتی اور عندلیب خوشنوا کی آواز فرطِ مسرّت سے گلگُنانگ۔

جب ان کے چہار طرف مسرّت ہی مسرّت تھی۔ تو وہ مسرور کیوں نہ ہوتے۔

لیکن انھیں غنچوں میں ایک دہر کی ٹریجیڈی کا مرقّع بھی تھا۔ اُس کا جگر فرطِ الم سے شق تھا اور پنکھڑیاں منتشر

آج سے ایک روز پہلے وہ اس چمن کا حسین ترین غنچہ تھا۔ بھونرے اُس کے گرد بیتابی سے طواف کرتے اور آفتابی کرنیں بار بار اپنی رفاقت کا احساس دلاتیں۔

لیکن اب شہد کی مکھی اُس کی زندگی کا رس جذب کر چکی تھی۔ خوشبو نہ معلوم کہاں کھو کر رہ گئی تھی اور سُرخ و سفید رنگ اب سیاہی میں تبدیل ہو رہا تھا

اس کا ننّھا سا قلب صد چاک تھا اور روح فضاؤں میں آوارہ۔

اک دوشیزہ ہلکے ہلکے قدم اُٹھاتی باغ میں آئی۔

"کاش! یہ مجھے توڑ لے" پھول نے دل ہی دل میں کہا "ساکنانِ چمن کی نگاہوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے سے تو یہ بہتر ہے کہ حیات کو ہی خیرباد کہہ دیا جائے"۔

دوشیزہ کے ہاتھ آگے بڑھے اور پھول فرطِ اشتیاق سے شاخ پر کانپ رہا تھا۔

لیکن یہ کیا وہ سمٹی اُنگلیاں تو ساتھ والے غنچوں کو توڑ رہی تھیں .... پھول ٹہنی پر اور بھی جُھک کر رہ گیا اُس نے اک دلدوز آہ بھری۔ اب وہ پنکھڑیاں بھی اس سے علیٰحدہ ہو چکی تھیں۔

"میری ہستی بے کار ہے۔ غنچہ ہائے نو دمیدہ میں مجھ مردۂ دیروز کا کیا کام" اُس نے رنجیدگی سے اک جھرجھری لیتے ہوئے کہا اور ہوا کا شوریدہ جھونکا اُسکی باقی پتّیوں کو بھی اُڑا لے گیا

نغماتِ پُر سوز

کتنا دلکش ہے یہ سانحہ اور کیسا پُر درد باب! کہ اک خوابِ شیریں، سہانا سا سپنا! شرمندۂ تکمیل ہو کر رہ جائے

اور تعبیر سے معذور۔

اس سے بڑھ کر بدنصیبی کی اور کیا دلیل ہے کہ کھلنے سے پیشتر ہی کوئی کلی توڑ لی جائے۔ نسیم سحر کے لطیف جھونکوں سے لطف اندوز ہونے سے قبل ہی کچل دیا جائے۔

کتنی قابل رحم ہے وہ آرزو! جو ایک عرصہ سے دل کی گہرائیوں میں پرورش پاتی رہے اور موقع پا کر پوری ہونے کو مچل رہی ہو لیکن بہ یک جنبش کاتب تقدیر مبدّل بہ حسرت ہو کر رہ جائے

کس قدر درد انگیز ہے وہ منظر جب زندگی کے تار پُر مسرّت نغموں کی لَے سے جھنجھنانے کو ہوں لیکن کسی آفتِ ناگہانی سے ٹوٹ کر رہ جائیں۔ فضاؤں میں منتشر ہو جائیں۔

کتنا المناک حادثہ ہے اور کیسا واقعۂ فاجعہ!! کہ جام عمر دھیرے دھیرے پُر ہونے لگا ہو لیکن موت کی بے رحم انگلیاں اُسے اُلٹ کر رکھ دیں۔ وقت سے پہلے ہی گلشن حیات کی ننھی کلی کو کاٹ لیں

ہر صباح نو آمدہ مجھے رنگین اُمیدوں کے خواب دکھاتی اور خوشرنگ تمناؤں کے غنچے۔

لیکن آہ ! کہ ہر آنے والی شام ان میں تہلکہ مچا دیتی
جیسے کسی المناک خیال سے چنچل چہرے پر مُردنی چھا جائے
وہ چمکیلے خواب ماضی کے دُھندلکے میں روپوش ہو جاتے
اور بڑھتی ہوئی آرزوئیں مرہونِ حسرت
تو کیا ہر خوش آئند خواب۔ کسک دردِ جانگداز
ہے اور بربادیٔ تمنّا۔ اُن کا تتمّہ ۔

نالۂ بے اختیار

تم کہتے ہو کہ حوادثِ حیات سے ہنستے کھیلتے دن
گزارنے چاہئیں۔ پر خوشی ! آہ اُس دہر میں خوشی ہی تو
ناپید ہے۔ اک پھیکی سی مسکراہٹ بھی تو ہزاروں تلخیاں پوشیدہ
کئے ہوئے ہے
کیا پپیہے کی پی میں گداز نہیں یا کوئل کی کوک
مرقّعِ الم نہیں۔ گرم دوپہر کو کوّے کی کائیں کائیں بھی تو
درد آمیز معلوم ہوتی ہے
یہ نیلگوں آسمان ! مسکن ماہ و انجم !! کبھی تم نے

اس کی سُرخی خونِ جگر کو بھی دیکھا ہے۔ اُفق کے سُنہرے
کناروں پر چھائی ہوئی سُرخی۔

اور مہرِ عالمتاب اسبب درخشانی کائنات! خزاں
کی دوپہر کو زرد زرد ہو جاتا ہے جیسے ناتوانی کے سمندر
میں اندر ہی اندر ڈوبا جا رہا ہو

نغماتِ چنگ و رباب! مجھے تو آہوں کے مضراب سے
نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

اور مٹیالے مٹیالے بادل جو برس کر فضا ہی میں تحلیل
ہو جاتے ہیں جس طرح کسی دیوانے کی چیخ فضا میں کھو جائے
مظلوم روحوں کے اشکِ خونیں ہیں جنکی نہ وقعت ہے اور نہ کچھ قیمت

اور پھر روتا ہوا سمندر، مصروفِ آہ و زاری
لہریں!! پامال سا سبزہ اور افسردہ و ساکت پتے۔

مجھے کہنے دو کہ مسرّت اس دہر میں کمیاب ہے اور سایۂ ہما
جیسی نایاب۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ شئے کیونکر حاصل ہو سکتی ہے جس کا
کچھ وجود ہی نہیں۔ مسرّت! خوشی!!...... آہ!!! اسے

دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

نغماتِ حیات

زندگی تمھارے لئے اک ربطِ شیریں ہے۔ عزیز دوست!
اور مخزنِ نغماتِ شادمانی !! جو محض ذرا سی چھیڑ پر مسرتوں
کا انبار لگا دیتا ہے۔

لیکن مجھے تو یہ حاصلِ نغمہ ہائے بے کیف معلوم ہوتا
ہے اور قبل از وقت بے کار۔

تم اسے سرسبز و شاداب غنچہ قرار دو لیکن میرے
لئے تو ایک کمھلایا ہوا پھول ہے جس میں نہ رنگ ہے اور نہ خوشبو

اسے اک کیف آفریں خواب نہ تصوّر کرو۔ اسکی تعبیر تو
مایوس کن ہے اور حدِّ خیال سے بڑھ کر غم آگیں۔

یہ اک شاداب کھیتی سہی لیکن ہر لکّہ ابر کو بارانِ مسرت
سمجھنے والی۔ جو اپنی آرزوؤں کو جڑ نہ پکڑتے دیکھ کر اُجڑ جاتی ہے
اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرزوئے شگفتگی سے بے نیاز۔

وادیٔ حیات دلفریب نظر آتی ہے اور تبسّم سے بھی
بڑھ کر حسین، جہاں چاند اپنی پوری شوخی سے چمکتا ہے۔ مسہ ولے
ستارے اس کے گرد رقص کرتے ہیں اور نیم خوابیدہ کلیوں

کو نسیم سحر کے جھونکے دعوتِ دید دیتے ہیں۔

لیکن حقیقت میں یہ وادی پُرفریب ہے۔ ان زہریلے جھونکوں میں۔ کلیوں کی خوابیدگی میں ناگ سی منہ چھپائے ہوئے ہے تاکہ موقع پاتے ہی اپنی آہنی گرفت میں لے لے اور یہ زندگی جسے شہد جیسے سانسوں سے تشبیہ دی جاتی ہے میرے نزدیک اک جرعۂ ہلاہل ہے جسے محض چھونا ہی سینکڑوں مصائب کا پیش خیمہ ہو

اے مالک! کیا اس شوریدہ بربط کا کوئی ایسا نغمہ ہے؟ جو میرے قلبِ حزیں کو ایک لمحہ سکون دے سکے .... اور پریشان دماغ کو طمانیت۔

ایک ایسا نغمہ! جو کچھ دیر کیلئے مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کردے اور اپنی تھرتھراتی ہوئی گونج میں پوشیدہ

ماہِ شب تاب

کس قدر حسین ہے تو! اے ماہِ شب تاب!! او کیسا پیکرِ پاکیزگی!

جیسے بلند آسمان کا کوئی مقدس فرشتہ نجات کی
تلقین کر رہا ہو۔

اکثر پرسکوت راتوں میں جب کہ میرے خیالات پر
اُداسی چھا جاتی ہے پُر فریب دنیا کی نت نئی شعبدہ بازیوں سے
اور میں اپنی ہستی سے بیزار ہو جاتی ہوں اس
مجسّم بے کسی ہستی سے ۔

تو تیری اٹھلاتی ہوئی کرنیں دریچہ سے داخل ہوتی
ہیں جیسے قسمتِ ناکام کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کیلئے کہہ رہی ہوں
اور جب دامنِ شب کی آڑ میں دہر کے گناہوں میں
اضافہ ہوتا ہے ..... اہرمن کے فرستادہ کائنات کے چپّے چپّے
پر چھا جاتے ہیں اور فضا میں ایک آسیبی سا سکوت ناچتا ہے ۔

تو میرا کمزور دل، اس ماحول سے دہل جاتا ہے اور تیری
ہر آلودگی سے پاک، مقدس روشنی تک پہنچنے کے لئے بے قرار ۔

اور کیسا طمانیت بخش ہوتا ہے وہ لمحہ! جب تیری
قبائے الوہیّت پر میرا لبادہ بن جاتی ہے اور تیری روحانیت
مددگار۔ میں اپنے آپ کو دنیائے معصومیّت میں محسوس کرتی ہوں
جہاں تیری کرنیں راہبر ہوتی ہیں اور جمالِ بے پایاں، سامانِ راحت

لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں دلچسپیوں کی کمی نہیں لیکن ماہِ شب چراغ! میں ان فانی دلچسپیوں سے بے نیاز رہنا چاہتی ہوں جن کے تعاقب میں اضطراب کی لہریں ہیں اور الم کے چھینٹے

میرے خیالات کا لعل بے بہا تو۔ تو ہی ہے اور زندگی کے تاریک کھنڈر کی روشنی بھی جس کی درخشانی پر امتدادِ زمانہ بھی اثر انداز ہونے سے معذور ہے

سرمایۂ تسکین! جب تو شبِ چہاردہم کو اپنا جلوہ دکھاتا ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کی مقدس دیوی جلوہ گرِ عالمِ بسیط ہے ...... دہر سے گناہوں کا خاتمہ ہو گیا ...... اور ہر چہار طرف عرفانیت کا دَور دَورہ ہے

تیرا جمالِ روح پرور! جسے دیکھ کر میری روح رقص میں آجاتی ہے۔ تو اسی طرح اپنا روئے منور دکھایا کر تاکہ کائنات سرشار رہے تیری تقدس مآبی سے۔ اور الوہیت سے۔

اس عالمِ سفلی میں۔ دنیائے لاہوت کی جھلک دکھانے والے ...... ماہِ عالمتاب!

دہشت

سیاہ رات مسلط بر سرِ کائنات ہو چکی۔ تیز جھونکے اونچے اونچے درختوں سے دیوانوں کی طرح ٹکرا رہے ہیں ہر چہار طرف اک گہری خاموشی ہے اور موت کا سنّاٹا۔

ایسے وقت میں اک غیر مبہم دہشت مجھ پر حاوی ہے دل پریشان پریشان ہے اور خیالات خیاباں خیاباں جگر کاٹتے ہوئے

اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سرسراتے ہوئے جھونکوں میں ہزاروں بھوت برسرِ پیکار ہیں۔ فضاؤں میں سیاہ فام چڑیلیں مصروفِ جدل ہیں اور رو رو کر ماحول کو وحشت ناک بنا رہی ہیں۔

جبھی تو پتّے پتّے پر خوف اور ذرّے ذرّے پر کپکپاہٹ طاری ہے۔

آہ! یہ نامعلوم سا خوف تو مجھے اور بھی متوحّش کر رہا ہے۔ میرے کمزور دل کی دھڑکن لمحہ بہ لمحہ ترقّی پذیر ہے۔

دور جھاڑی سے کوئی ننھا سا پرند چیخ پڑا۔ اُس کی غمگین راگنی! جیسے اُداسی کی دیوی کوئی پُرالم نوحہ پڑھ رہی ہو۔

گُھٹتے چلّاتے چلّاتے تھک گئے۔ جھینگر شور مچا رہے ہیں اور اُلّو فلسفہ کے کسی خاص نقطہ پر پہنچنے کیلئے سرگرم تحقیقات ہیں میری روح قالب سے علیٰحدہ ہونے کو بیقرار ہے اور شدّتِ دہشت سے جسم لرزہ براندام۔

لرزتے ہوئے سائے بل کھا رہے ہیں جیسے غیر مرئی وادیوں کی روحیں آنکھ مچولی میں مصروف ہوں۔ اونچے اونچے درخت اور پھیلی ہوئی جھاڑیاں دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ جنّاتِ ہیولانی بھٹک رہے ہیں۔

خزاں کے دھندلے آسمان پر مدّھم سا چاند چمک رہا تھا۔ اس نے بھی بادلوں کی اوٹ میں مُنہ چھپا لیا جیسے نیکی اور پاکیزگی کے فرشتے نے چہرے پر نقاب ڈال لیا ہو۔ اہلِ دہر کی لغزشوں کی تاب نہ لا کر انگشت بدنداں ہو اور نیکیوں کو کانپ کانپ کر فضا میں تحلیل ہوتے دیکھ کر ساکت۔

" مقدّس معبود! میں غیر اختیاری طور پر پکار اُٹھتی ہوں مجھے اس روح فرسا ماحول سے بچا جہاں گُھٹاؤں کی سیاہی برسرِ اوج ہے اور اک پوشیدہ سا خوف اُبھرتا ہے دبتا ہے اور پھر تسلّط کائنات کر لیتا ہے۔

"محافظِ حقیقی!" مجھے اپنی پناہ میں لے لے اِنّکَ عَلیٰ کُلِّ شیءٍ قدیر۔ میں تیری پُرسطوت حفاظت میں آنا چاہتی ہوں جہاں نور ہی نور ضو فشاں ہے اور قدسیت کا دور دورہ جہاں کسی دہشت کا شائبہ تک نہیں اور نیکی گناہوں میں معدوم نہیں ہوتی۔

جرمِ غربت

وہ بیچارہ! صبح سے سخت سخت پتھر کوٹنے میں مصروف تھا۔ چلچلاتی دھوپ اس کے لئے بے معنی تھی اور شدتِ تشنگی فکرِ روزگار میں غائب۔

اسکی ربطِ ہستی کے تار حسرتوں نے توڑ دئے تھے۔ ریزہ ریزہ کر دئے تھے کیوں کہ وہ مفلس تھا اور تہی دست۔

غروبِ آفتاب کی آخری کرن سبز پتوں پر ناچنے لگی۔ پرندے محوِ پروازِ آشیاں تھے اور ہوا مائل بہ سکون۔

ہر ذی روح ہستی گوشۂ عافیت کی طرف رواں تھی اور تھکی ہوئی روح کو روپہلی پروں والی نیند کی گود میں دے دینے کو آمادہ

پر آہ! اُس سے تو نیند بھی کوسوں دور تھی جیسے کہ اُس کا تعلق تو محض دہر کی عشرت گاہوں سے ہی ہے نہ کہ پُر درد نالوں کے احساس سے پاش پاش دلوں میں! اس نے نڈھال ہو کر اک ٹھنڈا سا سانس بھرا۔ وہ سانس! جس میں کائنات کو زیر و زبر کر دینے کی صلاحیت ہے۔ گرد و پیش اک حسرت آلود نگاہ ڈالی اور سُست سُست قدموں سے اک طرف روانہ ہو گیا۔

لیکن وسیع دنیا کی خوشنما وادیوں میں اُس کے لئے جگہ نہ تھی۔ نہ کوئی گُنج سکون۔ جہاں دن بھر کا اضمحلال اور خستگی فراموش کر سکے یا اک کلبۂ غریبانہ۔ جسے وہ اپنی ملکیت کہہ سکے۔

وہ دہر کی مسرّتوں سے بے بہرہ تھا اور یہاں کی دلفریبیوں سے ناآشنا! اس کے دل، دماغ اور روح کی گہرائیوں میں تو صرف ایک خیال تھا جو رہ رہ کر بے قرار کر دیتا۔ وہ یہ کہ "آنے والی صباح، روح و تن میں تعلق قایم رکھنے کے لایق روزگار بھی مہیّا کر سکے گی یا نہیں؟"

فقر و فاقہ نے اُسے جذبات سے یکسر عاری کر دیا تھا اور ہر قسم کے احساس سے بالکل بے بہرہ۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ مقصدِ حیات، رشتۂ حیات

قائم رکھنے کی حد سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے۔

جرم غربت نے اُس کی روح کو پا بہ زنجیر کر دیا تھا اور محبوس طوق و سلاسل۔

روئداد حیات

سرسبز پتیوں میں اک ننھی سی کلی محو خواب تھی۔ اُسکی پنکھڑیاں پیوستہ تھیں اور دنیا ٹہنی کی حد تک محدود۔

لیکن بہار کے اک فردوسی جھونکے نے نہ معلوم سرگوشیوں میں کیا کہہ دیا کہ وہ خود بخود چٹک اُٹھی اور فرط حیرت سے نیم وا آنکھیں کھول دیں۔

اب خواب سے بھی زیادہ جمیل مناظر تھے اور وسعت نگاہ تک مسرتوں کا رواں سمندر!۔

معبود! کیا اس اُداس زندگی میں بھی خوشی کی لہر دوڑ سکتی ہے جو دل کی مرجھائی ہوئی کلی کو کھلا سکے۔

سینۂ بحر پر اک ننھی سی کشتی تیر رہی تھی۔ پر کاہ کی طرح ہچکولے کھاتی اور ہر جنبش پر سلامتی سے بچتی۔

دفعتاً اک ہولناک گرداب نے اُسے گرفت میں لے لیا
اب شعلۂ جوّالہ سمندر نگلنے کو تیّار تھا اور ہر بڑھتی ہوئی موج
اُسے لُٹنے پر کمربستہ ۔

لیکن وہ ننھا سا سفینہ آخرکار کنارے جا ہی پہنچا
تمام خطرات کا جانفشانی سے مقابلہ کرتا اور حائل شدہ
مصائب کو ثابت قدمی سے جھیلتا ۔

میری کشتیٔ حیات، زمانہ کی گردشوں سے نزدِ غرقابی ہے
کیا وہ بھی ساحلِ مراد تک پہنچ سکے گی، نا اُمیدیوں کے
تھپیڑے کھاتی اور مصائب سے مقابل ہوتی ۔

ماہِ عالمتاب ہجومِ سحاب میں غائب ہو گیا تھا
جیسے شب کی دیوی نے سیاہ نقاب پہن لیا ہو ۔

ستارے خاموش تھے اور اپنے رفیق کی
گمشدگی پر حیرت زدہ

ایکا ایکی بادل کائی کی طرح پھٹ کر رہ گئے ۔ اب وہی
ماہِ درخشاں تھا اور اُس کی پاکیزہ تابانی

میری زندگی کی ہر درخشندگی، یاس کے بادلوں
نے زائل کر دی ہے ۔ وہ اک شبِ تاریک کی طرح ہے جہاں

شمّہ بھر بھی روشنی نہیں۔

ہر آرزو، خواب کی طرح دور دور ہے۔ اور اس تنکے کی طرح آوارہ! جسے ہوا جہاں چاہے اڑا کر پھینک آئے

پکار!

اُفق کے سنہرے کنارے دن کو الوداعی پیغام دے رہے ہیں۔ آفتاب کی رنگین کرنوں نے ہر طرف جوئبارِ نور پھیلادی بہار کی چمکیلی شام سریر آرائے دہر ہے۔

پتہ پتہ حیات سے معمور ہے اور ذرّہ ذرّہ بالیدہ!

کائنات مخزنِ نشاط و شگفتگی بن رہی ہے اور اُس کی ہر شے داعیٔ کیف و سرور۔

لیکن میرے لئے کچھ بھی نہیں! میری افسردگی وقت کی رفتار کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور افسانۂ ماضی حاوی بر روحِ حیات۔

کہتے ہیں کہ اپریل کی یہ شام پُرکیف ہے، اور حدِّ ذوق انگیزی تک یادگار۔

ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن میرے لئے تو حنائے
پائے خزاں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ۔
کائنات نشیلے گیتوں سے مدہوش ہے اور دہر سرسبز و شاداب
مجھے کیا؟ یہاں تو وہی افسردہ روح ہے ۔ اور
پژمردہ دل! نہ احساس بہار ہے اور نہ سروکار بہ خزاں ۔ آرز
بس اک گنج تنہائی ہے یا میں اپنی شکست کی آوا
اور تمھارے ساتھ گزارے ہوئے سنہری زمانے کی یاد ۔ جب
میری دنیا تم سے وابستہ تھی اور محض تم تک محدود ۔ موت
کے زبردست ہاتھ نے ہم دونوں کو علیحدہ کر دیا ۔ گویا تن کو جان
سے بعید تر کر دیا گیا لیکن میرا دل! وہ تو اب بھی تمھاری جائے
قیام ہے اور ہر لحظہ معمورۂ خیالات
کیونکہ ہمیشہ کیلئے بچھڑ جانیوالی ہستی ۔ عزیزترین روح سے
تمھاری یاد سے بہتر تو کوئی یاد نہیں

اِعتراف

یہ جانتے ہوئے بھی کہ دنیا نفرت گاہ ہے مجھے کبھی

اس سے دلچسپی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ یہ مدفن ارمان ہے اور چند روزہ خواب و خیال لیکن پھر بھی مجھے اس سے لگاؤ تھا اور قلبی تعلق۔

یہ دیکھ کر کہ یہاں خود پرور انسان بستے ہیں جنکی کائنات مشتمل "برجھنکار زر" ہے۔ مجھے رنج ہوتا تھا اور ان کی نفس پروری پر تاسف۔

پر حیرت! کہ پھر بھی میں اسکی اس حد تک شیدائی تھی۔

غریبوں کو دیوانہ وار کشاکش حیات سے پنپتے دیکھکر مجھے قلبی رنج پہنچتا۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ جاتیں اور اُن کے بڑھتے ہوئے مصائب پر ملول۔

لیکن دنیا کیلئے پھر بھی میں ایک پیار سا محسوس کرتی۔

پر اب! ہاں اب!! وہ قابل نفرت اور اذیت دہ کشش ختم ہو چکی ہے اور یہ اپنی دل فریبیوں کے درجہ صفر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

روح اس مرقع جبر و استبداد سے نکل کر فضاؤں میں منتشر ہونے کو اس طرح بے قرار ہے جیسے پُرسکوت ساز کے

سینے میں کوئی نغمہ متلاطم ہو۔
یہاں کی امروز اب میرے لئے روزِ محشر سے کم نہیں
اور فردا کا تصور ہی کپکپاہٹ طاری کر دیتا ہے
موت کا فرشتہ دھیرے دھیرے قدم آگے بڑھا
رہا ہے۔ کاش! وہ مجھے اپنی نوری پناہ میں لے سکے اور اسطرح
غائب از دہر کر دے جیسے آسمان سے کوئی تارا ٹوٹے اور فضاؤں
میں گھل کر رہ جائے...... موسیقی سے معمور سکون میں جب
آسمان پر ستارے چمکتے ہیں تو میرا دل اس وادی میں پہنچنے
کو بے قرار ہو جاتا ہے جہاں سکون ہی سکون ہے اور پاکیزگی
نے اپنا دل نکال کر خطۂ زمین پر بکھیر دیا ہے۔
جہاں آسمانی ساز پر حوریں نجات کے گیت گاتی ہیں
اور فرشتے اپنے سفید پروں سے سایہ کئے ہوئے ہیں۔
کاش! میں اس وادی میں پہنچ سکتی جو اس دنیا
سے بالکل متضاد ہے اور اس کا ماحول یہاں سے جداگانہ۔

نغمۂ آزادی

خاتونِ اسلام! وقتِ خوابیدگی گزر چکا۔ از بہرِ خدا
اب بیدار ہو۔ یہ پستی! ہستی کو درجۂ نیستی تک پہنچا دینے والی
پستی!! جس نے تیری روح پر غاصبانہ پردۂ غفلت ڈالا ہوا تھا! اُسے
مٹا دینے کا وقت ہے اور صفحۂ دہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
اُڑا دینے کا موقع۔ اُٹھ! کہ اک زرّیں لمحہ تیرا انتظار کر رہا ہے

مسلمِ ہندی آج عالمِ بیچارگی میں ہے۔ اغیار اُس
پر خندہ زن ہیں اور اپنے اُس کے وجود سے شرمندہ! اللہ! اللہ!
یہ جمود و بے حسی! کہ وہ اپنے آپ کو بھول چکا ہے۔ اپنی فطری
آزادی، شوکتِ رفتہ کو فراموش کر چکا ہے اور علمی شگفتگی
اخوتِ اسلامی سے قطعِ تعلق۔

دہر میں اُس کا وجود! معبود!! ایسا معلوم
ہوتا ہے جیسے سرد جھونکوں سے کوئی کنول کا پھول منجمد ہو کر
رہ گیا ہو۔ فصلِ بہار سے بلند بالا اور موسمِ خزاں سے بے نیاز۔

دخترِ اسلام! اپنی رفعتِ گزشتہ یاد کر۔ اُس
بھٹکے ہوئے مسافر کی رہبر بن! اور لٹتے ہوئے کارواں کی پاسبان

غلامی کی سیاہ چڑیل بر سریر آرائے ہند ہے ہر طرف
جہل کا دَور دَورہ ہے اور مفلسی کی حکومت۔

اپنی قدر پہچان! اور نیم جان و بے روح قوم کو
روحِ آزادی دلا دے۔ واماندہ مسافر کو احساسِ عزت دِلا
اُسکی ڈگمگاتی کشتی کو تھام لے اور بادِ موافق کے راستے پر لے جا۔

ہند کا "بیمار مرد" بار بار لڑکھڑائے گا۔ بڑھتے بڑھتے
تھمے گا اور ممکن ہے کہ بھیڑنے کی کوشش بھی کرے۔

لیکن تو کہ عائشہؓ۔ فاطمہؓ۔ خولہ و خنسا کے کارناموں
سے واقف ہے مطلق ہراساں نہ ہو اُسے صوتِ ہادی کی یاد دہانی
کرا اور منزلِ مقصود پر پہنچا دے

زینتِ آشیان! تیرا یہ عمل تجھے اپنے
وقت کا درخشندہ ستارہ بنا دے گا۔

پروانہ سے

ننھے سرفروش! اس بے قراری سے شمع کا طواف
کیوں کر رہا ہے مطلوب کے قریب پہنچ کر بھی اتنی بے چینی اسقدر آہ و زاری

شب کی تاریکی میں لپٹی ہوئی ہر شے غرقِ خواب نوشیں ہے لیکن تیرے لئے شاید نیند کا نام عنقا ہو گیا ...... تیرے شاندار قافلے کے ہم سفر لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہے ہیں لیکن تجھ پر کوئی اثر ہی نہیں۔ اس قدر غرقِ یمِ خیال کہ اپنے آپ تک کا ہوش نہیں

جانباز پروانے! شعلہ بارِ آتشیں لو پر اپنی ہستی سے بے نیاز ہو کر لپکنا اور بیک ثانیہ بے جان ہو کر محبوب کے قدموں پر گر پڑنا ...... کیا تیری اصطلاح میں انجامِ حیات اسے ہی کہتے ہیں۔ یک شمع کے اندر اندر گھلنے کا دلسوز منظر برداشت سے باھر ہے۔

رات کی تاریکی رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے۔ کائنات مردۂ صد سالہ کی طرح خاموش ہے اور ہر ذرّہ نشۂ خواب میں لڑکھڑاتا ہوا۔ پرندے آشیانوں میں ساکت ہیں اور درندے جنگلوں میں خوابیدہ۔

لیکن تیری یہ شب بیداری کیسی؟ تو کوئی ننھا سا دیوتا تو نہیں جو شمع کی حیاتِ جاودانی اور اپنی قبولیت قربانی کے لئے دستِ بدعا ہے

تصویرِ درد! آسمان پر چاند بھی طلوع ہو گیا

اس کا عکس جھیل کے پانی پر ناچ رہا ہے اور سمندری موجوں کے نغموں نے سالخوردہ دنیا کے چہرے پر مسکراہٹ طاری کر دی لیکن تو! آہ!! کہ تیری کائنات مشتمل بر یک شمع ہے اور اُس کی آتشین لو میں ماحصلِ حیات پوشیدہ۔

عندلیب شیدا تو ہر وقت سرگرمِ فغاں رہتی ہے اور سُننے والوں کے لئے سامانِ محشر سے کم نہیں لیکن آفریں ہے تجھے! کہ لپکتے ہوئے شعلے کو بوسہ دینے کی تمنّا اشتیاقِ فنا کو دوبالا کر دیتی ہے۔

اللہ! اللہ!! یہ وارفتگی کہ دہر میں دم بھر کا قیام بھی بارِ خاطر ہے۔ دلِ صد پارہ میں اک عزمِ آہنی ہے اور روح کی گہرائیوں میں ملکوتی درخشانی۔

کتنی مختصر ہے تیری زندگی لیکن کس قدر شاعرانہ اور بعید از وسعتِ خیال۔

شیاما سے

گہر آلود فضا میں سرگرداں شیاما! تو اس قدر بیقرا

کیوں ہے؟ ان ننھے ننھے پروں میں یہ اضطراب کی بجلیاں کیسی؟ اور یہ سوز و گداز سے لبریز آواز! جیسے کوئی راندۂ درگاہ فرشتہ نجات کے گیت الاپ رہا ہو۔

ننھی سی معصوم شیاما! تو شعلہ کی طرح لرزاں اور غرقِ یمِ خیال کیوں ہے؟ کیا تیرا مطلوب کہیں روپوش ہو گیا یا دہر کی گمناک خلا میں کوئی جائے قیام نہیں رہی۔ برشگال کی اس حسین صبح کو جب مینہ برس کر کھل جاتا ہے اور آسمان پر قرمزی بادلوں کے ٹکڑے دوڑتے پھرتے ہیں تو تیری حیران سی آنکھوں میں ایسی چمک کہاں سے آ جاتی ہے۔ یہ متحیر کن چمک! جو پہلی شعاعِ آفتاب سے بھی زیادہ درخشاں ہے

تیری وہ معصومانہ ادائیں۔ وہ حسنِ ملیح۔ اور وہ پیکرِ نزاکت۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان کی ابر آلود چھاتی سے کوئی جل پری اتر آئی ہے۔

اور اس پر بھی یہ انتظارِ مسلسل۔ فضاؤں میں کسی کی جستجو اور جنبشِ پیہم!

حسین پرند! تجھ میں اس قدر شوریدگی کیوں ہے اور یہ بڑھتی ہوئی وارفتگی۔ کاش! اس کا ازالہ کسی کے بس میں ہوتا

۶۲۹۰۸

جب تو ساون میں ملھار گاتی ہے۔ کیفِ سرمدی عطا کرنے والے ملھار! جیسے گلاب کی پتیوں پر ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی ہوں تو نبضِ کائنات تیز تیز ہو جاتی ہے اور ہر شئے احساسِ حیات سے جُنباں۔

میرے قلبِ حزیں پر کوئی نامعلوم خلش اور بے پایاں اُداسی چھا رہی ہے۔ موسیقار شیاما! کوئی نغمہ چھیڑ دے روح کو سرشار کر دینے والا نغمہ! تاکہ آلام کے یہ گھرے ہوئے بادل چھٹ جائیں اور تیری بڑھتی ہوئی خستگی بھی مبدّل بہ اطمینان ہو میری حسین شیاما! مجھے اک سکون بخش نغمہ سُنا دے۔

محفلِ عندلیب

رات سُنسان ہے اور بُدھ مندروں جیسی تاریک نیند کی طلسمی دیوی ہر ایک کو اپنے حلقۂ دام میں لا چکی۔ شوریدہ سمندری موجیں کسی نوزائیدہ بچے کی طرح عالمِ مدہوشی میں ہیں کبھی کبھی اک شرمیلی سرسراہٹ سے پتے کانپنے لگتے ہیں یا کسی ننھے پرند کی چیخ اس جمود کو توڑ دیتی ہے۔ اور سب

سکوت ہے اور کائنات مردۂ صد سالہ کی طرح ساکت۔

ایسے عالمِ سکون میں چند عندلیبیں گلاب کے پودے پر جمع ہیں۔ صد پارۂ دل کو سینہ میں لئے اپنا مسئلہ تقدیر حل کر رہی ہیں ــــــ چمن کا پتہ پتہ محوِ خواب ہے اور تھکی ہوئی شاخیں سر جھکائے ہوئے..... فضا میں اک مہیب سا خوف سانس لے رہا ہے۔

کبھی کبھی زرد چاند۔ کفن میں لپٹی ہوئی نعش کی طرح نظر آجاتا ہے یا کوئی مقید لہر ساحل سے ٹکرا کر آہ و زاری کرنے لگتی ہے۔

اس کے سوا کوئی نشانِ حیات نہیں سکون کامل ہے اور شہرِ خموشاں کا سا ماحول۔

کبھی کبھی ہوا سسکیاں بھرنے لگتی ہے یا آسمان پر کہیں کہیں بادل کے ٹکڑے نظر آجاتے ہیں۔

لیکن زورِ گریہ سے لڑکھڑاتی ہوئی عندلیبیں ماحول سے بے نیاز ہیں اور اپنی ہستی سے بے خبر

ان کا مطمحِ نظر تو صرف ایک ہی ہے محض ایک خیال انکے قلوب پر حاوی اور معصوم روحوں کو مجروح کر رہا ہے

اور وہ یہ کہ اگر صباحِ فردا "حاملِ خزاں" بن کر آئی تو "رنگِ چمن" کیسا ہو جائے گا۔ استبداد کے پنجۂ آہنی میں گرفتار ہونے سے ساکنانِ چمن پر کیا بیتے گی۔ اور یہ تجدیدِ کتابِ حیات کا کونسا ورق پیش نظر کرے گی۔

مسئلۂ حیات

موسمِ خزاں کے دھندلے آسمان پر تارے چمک رہے ہیں۔ رات کے ہلکے ہلکے سائے گہرے ہو چلے اور شوریدہ جھونکوں کی مسلسل چھیڑ سے لرزاں شاخیں ساکت!

اس معمورِ خواب وقت میں، میں غرقِ یمِ خیال ہوں۔ دل ناتوانی کے عمیق سمندر میں ڈوب رہا ہے اور روح مائلِ پریشانی۔ جیسے رباب کے تار ٹوٹ کر اُسکے نغموں کو خاموش کر دیتے ہیں۔

کاش! میں مسئلۂ حیات کی تہہ تک پہنچ سکتی یہ پیچیدہ مسئلۂ حیات!! جسے جتنا سلجھانا چاہتی ہوں اُسی قدر اُلجھتا چلا جاتا ہے

دور گھنی جھاڑیوں میں کوئل کوک رہی ہے۔ کیا اُسکی آواز پُر از سوز و ساز نہیں یا اُس کا نغمہ آوازۂ فغاں سے کم ہے۔

ماہِ شب تاب اپنی جملہ تابانیوں سے دہر کو جگمگا رہا ہے لیکن اُس کی ہر لمحہ بڑھتی ہوئی زردی؟ آہ! یہ تو کچھ اور ہی کہتی ہے۔

اور یہ دہر! مخزنِ راحت و آرام؟ جس کے سالخوردہ چہرے پر ہر آنے والا لمحہ اک نئی شکن ڈال دیتا ہے جس کا قلب امتدادِ زمانہ سے چُور چُور ہے اور ہستی بے بال و پر۔

سکوتِ شب! اپنی آغوش میں صدہا نالہ ہائے یاس پنہاں کئے ہوئے ہے۔

تو پھر؟ جب ہر طرف درد کے مضراب چھڑ رہے ہوں تو حیاتِ فانی "مشتمل بہ چند نوحہ ہائے پُرسوز" ہوئی نہ اور معدنِ گریہ و الم ـــــ لیکن پھر بادِ سحر کے لطیف جھونکے ہیں جو اپنی جنبشِ پیہم سے نبضِ کائنات کو تیز تر کرتے ہیں۔

بیگانہ از ہستی و نیستی سمندر ہے جو اپنی سُریلی آواز سے لمحاتِ حیات کو لافانی بنانے کی تلقین کرتا ہے۔

یہ پُرسرور نغماتِ موسیقی! جو اس طرح بے قرار کر دیتے ہیں جیسے ساز کے پُرسکوت تاروں میں کوئی نغمہ متلاطم ہو

اور پہلی شعاعِ آفتاب! حیاتِ نو کی علمبردار اور تبسم سے بڑھ کر حسین۔

تو معبود! "نوحہ ہائے غم" کے ساتھ یہ "نغماتِ شادمانی" کیوں؟ یہ انجمادِ جرعاتِ تلخ و شیریں کیسا؟

بلند گہرائیوں سے اک شوخ ستارہ میری شوریدگی پر ہنس رہا ہے۔ سیاہ رات اپنا لبادہ لپیٹنے میں مصروف ہے اور صباح کی دھندلی کرنوں نے تعاقبِ تاریکی شروع کر دیا لیکن میں اسی طرح مسئلۂ حیات تک پہنچنے کی ناتمام کوشش میں مصروف ہوں۔ آہ! یہ دشوار ترین مسئلہ! جس سے تنگ آکر اک دل جلا شاعر کہتا ہے؎

بعدِ یک عمر بھی جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا۔ میں باز آیا

کس لئے؟

بہار مخزنِ مسرت کیونکر ہوگئی؟ اس کی ہر شے کو اپنے رنگ میں رنگ کر دلفریب کس نے بنا دیا؟ اور

ہوا کے مسلسل جھونکوں سے نوشگفتہ غنچوں میں لرزش کہاں سے آگئی؟

یہ روپہلی اور سنہری پروں والی تتلی، کسی چمکیلی وادی کی مقدس حور! اسے ملکۂ نزاکت کس نے بنا دیا اور اپنے ہی حسن پر مست خرام۔

دور سے سنائی دینے والا نغمہ اتنا پرکشش کیوں ہوتا ہے اور حسین پھولوں میں شانِ دلربائی کس نے پیدا کر دی جب اُفق کے کنارے دن کو الوداع کہنے لگتے ہیں تو کس کی لانبی لانبی اُنگلیاں ان پر سرخیاں بکھیر دیتی ہیں اور غروب ہونے والی آفتابی کرنوں کو تبسم جیسا حسین کس نے بنا دیا؟...... جیسے فانوس میں اک شعلۂ آتشیں لرز رہا ہو کرمکِ شب تاب کو پاسبان عروسِ شب کس نے بنا دیا اور بہتے ہوئے جھرنے کو اپنی تیز روانی پر نازاں۔

کس نے؟ آہ! کس نے؟؟ اپنی جنبشِ پیہم سے نبضِ کائنات تھام رکھی ہے۔

شعلۂ آتشیں

افقِ مغرب پر اک آتشیں شعلہ لرز رہا ہے۔ لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتا جاتا ہے تاکہ دہر کو خاکستر کر دے اور اس کے لوازمات کو اک افسانۂ پارینہ!

اس کی ہر لپک ہزاروں روحوں کے لئے پیغامِ اجل ہے اور کائنات کے لئے حاملِ قہر و غضب۔

زمیں اپنی بے چارگی پر گریاں ہے جیسے زمانۂ ماضیہ کے فراموش شدہ افسانے دہرا رہی ہو اور آسماں متغیّر نگاہوں سے اس خونیں ڈرامہ کا مشاہدہ کر رہا ہے جو وحشت و سفّاکی کی زندہ یادگار ہے اور تہذیب و تمدّن کا جنازہ۔

ہر طرف اک تاریکی سی چھا رہی ہے ہولناک تاریکی۔ نغماتِ چنگ و رباب کی جگہ فرشتۂ موت کے جرسِ فنا نے لی اور مجسّم قہقہۂ زندگی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی پکار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

دہر کے ہر خلا پر شعلۂ آتشیں کا تسلّط ہے اور ہر گہرائی میں اس کا حصار۔

نوجوان دم بخود ہیں۔ بوڑھے صورتِ بیمار اور بچے
معصوم و مسرور بچے اک عالمِ حیرت میں لیکن یہ سُرخ سُرخ آتشیں
شعلہ! اللہ! یہ تو دم بدم بڑھتا ہی چلا آتا ہے۔
کائنات کے اُکھڑے اُکھڑے سانس اس کے لئے بے معنی ہیں
اور اس کی ترقی پزیر سودائیت بے حقیقت۔
ہلاکو و چنگیز کی داستان سُنا کر تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے
فطرت کے کھلونے اپنے ہی بنائے ہوئے ہتھیاروں سے
کھیل رہے ہیں انکی ہستی شرمندۂ تکمیل ہے اور خواہہائے فردا پراگندہ
پر یہ بھڑکتا ہوا شعلہ! آہ! یہ تو قریب سے قریب تر
ہو رہا ہے۔ تھکا ماندہ آفتاب گوشۂ سکون میں جا چھپا
لرزاں و رقصاں پتے تھک کر ساکت ہونے کو ہیں۔ اور
بچھڑے ہوئے پرند آمادہ بہ پرواز آشیاں۔
پر معبود! اسے تو اک لمحہ قرار نہیں اک مسلسل
تڑپ ہے اور مجسم لرزش۔
یہ کوئی ہالۂ بربریت ہے یا عتاب خداوندی؟
یہ شعلہ! یہ لپکتا ہوا آتشیں شعلہ۔

سکوت نیم شب

رات اپنا آدھا دور ختم کر چکی ہے۔ فضا غرقِ یمِ خیال
ہے اور کائنات نشۂ خواب میں مدہوش۔

کبھی کبھی کسی شب بیدار پرندے کا نغمہ دوشِ شمیم
پر تھرا اُٹھتا ہے جیسے رباب کے تار ٹوٹ کر اک ہلکی سی
جھنجھناہٹ پیدا کر دیتے ہیں۔

اس کے سوا سکوت ہے۔ شہرِ خموشاں کی چہار
دیواری کا سا سکوت۔

آسمانی بلندیوں پر سے ایک ستارہ جھانک رہا ہے
یا کسی وقت ہوا کی چھیڑ چھاڑ پتیوں میں لرزش طاری کر دیتی ہے
جیسے ساز کے پُرسکوت تاروں میں کوئی نغمہ متلاطم ہو

اس کے سوا طمانیت کا دور دورہ ہے اور موت
کے سناٹے کی حکمرانی۔

دور کوہستان کی پہاڑیاں ساکت و دم بخود ہیں
جیسے بات کرنے سے ڈر رہی ہیں اور سفیدے کے کوہ وقار درخت
کسی طلسمی ماحول کے زیرِ اثر سر جھکائے کھڑے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کسی شب بیدار ساحرہ کے سحر سے مسحور ہے۔

میں خاموش بیٹھی ان حالات کا مشاہدہ کر رہی ہوں مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ایک کھنڈر ہے۔ بدھ مندروں جیسا تاریک کھنڈر۔

اور نیم شب کا یہ سکوت اس کی ویرانی کو اور بھی بڑھا رہا ہے

تبسّم

اُس کے پاکیزہ حسن میں فرشتوں کی سی سادگی تھی اور فردوسی حوروں جیسی ملاحت۔

اس کے پیارے پیارے لبوں پر اک تبسّم رقص کرتا رہتا معمورِ حیات اور جاں بخش تبسّم

جب وہ مسکراتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے فضا میں مسرت و شادمانی کی ہلکی ہلکی بدلیاں چھا رہی ہوں

کبھی کبھی اُس کی مسکراہٹ، روحِ نبضِ کائنات معلوم ہوتی اور کبھی ایسی شاداب و پُرسکون جیسے پیاسی زمین مدّت

دراڑ کے بعد مینہ سے سیراب ہوئی ہو۔

اس کے جادۂ حیات پر دہر کی آلودگیوں نے سایہ نہ ڈالا تھا۔ یہاں کی ناصیہ فرسائیوں سے وہ بے نیاز تھی۔ اور حدِ امکان تک بلند بالا۔

اس کی کائنات تو اسی ملکوتی تبسم میں پوشیدہ تھی اور اس کی وسعتوں تک محدود! ...... جو اس کی روح میں طمانیت کی ہلکی ہلکی لہریں مار رہا تھا۔

"شمع سے"

سوختہ دل شمع! تو اس قدر آزردہ خاطر کیوں ہے
ہنسی کی محفل میں افسردگی کے جھونکوں کا کیا کام؟ پروانوں کی
جانبازی تو باعثِ انتشار نہیں یا خیالِ بیچارگی سوہانِ روح ہو رہا ہے

وقفِ الم شمع! تو اس طرح سرد آہیں کیوں
بھر رہی ہے۔ عہدِ گزشتہ کا کوئی بھولا بسرا واقعہ تو نہیں یاد آگیا
یا اپنی دعا کو بے اثر دیکھ کر محوِ سرود خاموشی ہے۔

ماضی کے افسانے دہرانا لاحاصل ہے۔ ماضی!

رفتہ و گزشتہ ماضی!! اُس کی گزری ہوئی چند گھڑیوں کا ذکر ہی کیا؟ .... آہ! وہ سراب آسا لمحات جن کو گزرتے اتنا عرصہ بھی نہ لگا جتنی دیر میں کنول کی پنکھڑی پر حباب بن کر بگڑ جاتا ہے۔

ہستی سے بیزار شمع! یوں گھل گھل کر جان دینے سے کیا فائدہ۔ یہ ننھی سی شیریں جان۔ جو پروانوں کی حیات کا ملجا و ماویٰ ہے۔ کہیں یہ تصوّر تو تجھے نہیں پگھلا رہا کہ بادِ صبا یادگارِ رونقِ محفل کو نابود نہ کر دے۔

لیکن جب حقیقت ہی نہ رہی تو افسانہ کو دُہرانے سے کیا حاصل؟ جب کارواں ہی چلا گیا تو غبارِ رہگزار کے ناپید ہو جانے کا کیا غم؟

تجھے مایوسِ تمنّا ہونے کا رنج ہے لیکن وہ تمنّا ہی کیا جو محرومِ تکمیل نہ ہو۔

تفسیرِ سوز شمع! تو اس قدر مضطرب ہے۔ شاید خود جل جل کر اوروں کو جلانے کے احساس سے۔ لیکن! لیکن!! سرّ حیات بھی تو اسے ہی کہتے ہیں........ آفتاب اپنے سینے سے آتشیں شعاعیں نکالتا ہے۔ بوڑھی زمین کی تھکی ہوئی ہڈیوں کو گرمی پہنچانے

کے لئے۔ ماہِ شب رات بھر اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنیں دیتا ہے۔ کائنات کی تاریکیوں کا سینہ چیرنے کے لئے۔

جب کہ حیاتِ فانی معمور بہ جرعاتِ تلخ ہے اور اُسکی ایک ایک سطر مرقعِ پیچیدگی۔ یہاں ہر ہر لرزش کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اپنی ہستی کو ہر نئے انقلاب کا حامل۔ پھر یہ ازخود رفتگی کیسی؟ اندر ہی اندر گھُلنا چہ معنی دارد؟

سیلِ حُسن! کوئی پریشان خواب تیرے جلوے کی عکاسی کو محدود کر رہا ہے لیکن یہ آہ و زاری کب تک؟

رات دھیرے دھیرے صباح میں تبدیل ہونے کو ہے اور بادِ صبا کی سرسراہٹ سنائی دے رہی ہے۔ وقت نایاب ہے اور پھر نہ آنے والا۔

اِسے تو جان فروش پروانوں کی سرفروشی کی داد میں گزار دے۔

کشاکشِ حیات

دن بھر کا تھکا ماندہ آفتاب، گوشۂ عافیت میں

سکون پذیر ہو چکا۔ بچھڑے ہوئے پرند اپنے اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے ہیں۔ آسمانوں پر تاروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور زمین پر شمیم عطر بیز کی کیف آفرینی میں کشش۔

سر زمین خواب کا سا مسحور کُن وقت ہے اور گلاب کی نکھڑی جیسا دلکش سماں۔

ایسے پُر کیف سمے میں بھی، میری روح چین نہیں پاتی بڑھتی ہوئی کلفتوں نے اسے خستہ پا کر دیا ہے اور پُر صعوبت لمحات کی خلش سے گریز پا۔

اللہ! اللہ! کشاکشِ حیات کی ہنگامہ آرائیاں۔

چودھویں کا چاند اپنی جُملہ تابانی سے روشن ہے صنوبر و چنار کے درختوں پر اُس کی شعاعیں اس طرح چھن چھن کر گرتی ہیں جیسے حورانِ خلد کے لبادوں کا سایہ کانپ رہا ہو۔ قریب ہی سمندری موجیں مدھم سروں میں کوئی گیت الاپ رہی ہیں سکون و سرور عطا کرنے والا گیت۔

اس سُہانے وقت میں میرا خواب فراموش ہو چکا ہے بڑھتی ہوئی شورشیں اس پر حاوی ہو چکیں اور حیات کی پُر خار وادیوں کا تصور لمحہ بہ لمحہ پریشان کر رہا ہے۔

ہر شے پر ایک دلآویز تبسم چھا رہا ہے جیسے سالہا سال کے بعد بارش کی بوچھار نے شادابی عطا کر دی ہو اور نیند کے خمار میں لپٹی ہوئی کائنات سکون آمیز سانس لے رہی ہے لیکن مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فضائے بسیط میں کوئی مقدس روح مسکرا رہی ہے۔ میری واماندگی و بیچارگی پر مسرور ہے اور ہنس ہنس کر کشاکش حیات کی شوریدگی کا یقین دلا رہی ہے۔

آخری تحفہ

اٹھائیسویں کا زرد زرد چاند الوداعی نگاہوں سے زمین کو تک رہا تھا۔ اس خود فراموش و خستہ مریض کی طرح جو دم واپسیں اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا ہو

کبھی کبھی اس کی دھندلی روشنی لیموں کے نوخیز پتوں پر لرزنے لگتی یا چکور کی دردناک آواز فضا کو اور بھی متوحش کر دیتی لیکن فطرت کی آہنی گرفت میں محبوس چاند بے دست و پا تھا اور ساکت سفید سفید بادلوں سے

جھرمٹ میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی کفن میں لپٹی ہوئی لاش ہو۔

تارے حسرتناک نگاہوں سے اپنے ہم جلیس کی حالت دیکھ رہے تھے۔ یہ آسمانی سوگوار رو نورِ گریہ سے بار بار لڑکھڑا اُٹھتے۔ اور شب ہائے ماہ سے لطف اندوز ہونے کے بعد۔ اب چاند کے نہ ہونے احساس سے کپکپا رہے تھے۔

اور چاند۔ ایک پیکرِ غم تھا اور غرقابِ الم۔ آہستہ آہستہ نیلگوں گہرائیوں میں تحلیل ہو رہا تھا اُس برستے ہوئے سحاب کی طرح جو رفتہ رفتہ فضا میں غائب ہو جاتا ہے۔

کائنات پر اک آسیبی سکوت برس رہا تھا اور سپیدے کے درخت ہیبت ناک دیوؤں کی طرح انگڑائیاں لے رہے تھے ہاں کبھی کبھی کوئی ستارہ باسی پھول کی طرح کُملایا ہوا نظر آجاتا یا آسمان کا مردِ بیمار گہرے گہرے سانس کھینچنے لگتا۔

رات رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی اور فلکی فانوس کا آتشیں شعلہ رو بہ انحطاط

دفعتاً اک شہابِ ثاقب نے آہستہ سے جنبش کی۔ اور زمین کی لا متناہی وسعتوں میں کھو گیا مجھے تو ایسا محسوس ہوا جیسے دورِ حیات سے گزرتے ہوئے مسافر کا آخری تحفہ ہے۔ زمین

کو آخری خراج رفاقت اور چاند کی دکھ بھری آنکھ کا ڈھلکا ہوا آنسو

گوشۂ عافیت

کہاں ہے وہ گوشۂ عافیت۔ وہ کُنج سکون۔ جہاں انسانیت کا کال روح کو مجروح نہیں کرتا ...... نہ بڑھے ہوئے آلام ہیں اور نہ پیہم جور و اِستبداد۔

اس دہر کی خونچکاں داستانیں، درد انگیز افسانے اور تحیّر زا واقعات ترقّی پذیر ہیں۔ میری فہم سے بالاتر اور ادراک سے بعید۔ اور میں اپنے کو شام کے دھندلکے میں ملفوف محسوس کرتی ہوں۔ ویران اور اندھیرے زندگی کے غار میں جہاں غروب آفتاب کی آخری کرن بھی جھانکنے سے معذور ہے

یہاں ہوا سسکیاں بھر بھر کر روتی ہے جیسے کسی کی خشک آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی پکار ہو۔

فضا پر نمناکی چھائی رہتی ہے گہری گہری کُہر آلود نمناکی.... جیسے برباد آرزوؤں کا غبارہ چھا رہا ہو۔

آسمان کی چھاتی ابر آلود ہے اور زمین کی وسعت

گرد آلود ـــ کاش! اس پُر آشوب وادی سے نکل کر کسی خاموش ماحول میں پہنچ جائیں اور اک آزاد دنیا تلاش کریں عنقا کی طرح آزاد و بے پروا۔ یہ وسیع کائنات۔ اس کی پُر فریب نیرنگیاں اور اس کی دلکش رنگینیاں سراب آسا ہیں اور ایسی ناپائیدار… جیسے کنول کی پتی پر لرزاں اک قطرۂ حباب۔ ـــ یہاں ہوا کراہتی ہے۔ چاند اشکبار ہے اور کائنات وحشت زدہ۔

اس شوریدہ دنیا سے دور! کوئی ایسا گنج سکون جہاں روح میں انعکاس پیدا کرنے والے نغمے بکھر رہے ہوں

جہاں اطمینان ذرّے ذرّے پر چھا رہا ہو ……؟

جہاں سپیدۂ سحر حیاتِ نو کا پیغام لاتا ہو۔ ……؟

اور! اور!! جہاں نہ ذکر امروز ہو نہ فکر فردا، روح عالم خیال کے راستوں پر پرواز کرتے کرتے تھک چکی ہے۔ اور کمزور دل اپنے ماحول سے متنفر۔

تو کیوں نہ اس دہر فانی کو الوداع کہہ دیا جائے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

جاودانی آشیاں، شاعر کے تخیّل جیسا گوشۂ عافیت۔ آہ!

وادیٔ تصوّر

نیند کے خمار میں لپٹی ہوئی کائنات گہرے گہرے سانس
لے رہی تھی اور تاریکی کے لمبے لمبے سائے دوشِ فضا پر لہرا رہے تھے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شیاطین دوزخ اپنے بھاری
اور نظر نہ آنے والے پروں کی مدد سے اُڑے چلے جا رہے ہیں
چودھویں کا چاند نیلگوں گہرائیوں میں ڈبڈبا رہا تھا اور
سیاہ بادلوں کے ٹکڑے اِدھر اُدھر اُڑتے پھر رہے تھے۔
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات کی مشکیں نسب
شہزادی ردائے عنبریں پھیلائے جھولا جھول رہی ہے۔
ہوا کے سرد جھونکے دھیرے دھیرے سرگوشیاں کر رہے
تھے۔ حرکات مدوجزر کی مانند کیف آفریں سرگوشیاں
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی مقدس فرشتہ
بربط نجات پر نغمات عرفانیت الاپ رہا ہے۔

کب تک

تسلّط خزاں نے وجود کائنات بدل دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کے تمام شیاطین مل کر اپنے منحوس پر پھڑپھڑا رہے ہوں۔ عندلیب خوشنوا سوگوار ہے اور گلشن صد پارۂ دل کو سینے میں لئے ساکت ہے پتے لرزاں ہیں اور ڈالیاں گریاں۔

لیکن تشدد کے ان خونی پنجوں کی گرفت کبتک ؟

جب کہ آمدِ بہار کے لئے کائنات اسطرح بیقرار ہے جیسے ساز کے پُرسکوت تاروں میں متلاطم نغمہ

درختوں کی آڑ میں آفتاب غروب ہو رہا ہے ہر شے شام کے بھورے بھورے دھندلکے میں ملفوف ہے اور قطرہ ہائے اشک کی طرح جُنباں۔ دھندلی کرنیں تاریکی کا تعاقب کرتے ہوئے غائب از نظر ہو گئیں۔ فضا میں اک مہیب سا خوف سانس لے رہا ہے اور ہر طرف تاریکی ہے شبِ دیجور کی بڑھتی ہوئی تاریکی

لیکن یہ تسلّط خواب و خامشی کب تک؟ جبکہ بادِ سحر کے انتظار میں چشمِ غنچۂ نو دمیدہ وا ہے اور نبضِ کائنات سُست سُست جُرعاتِ تلخ سے لبریز جامِ حیات چھلکنے کو ہے۔ دہر

کی دلچسپیاں کسی نیم جان مریض کی طرح اُکھڑے اُکھڑے سانس لیتی نظر آتی ہیں اور آہوئے صحرا کی طرح وحشت زدہ روح کسی نئی گت کی متلاشی ۔ تسلسلِ حیات اپنی جنبش جلد سے جلد تر کر رہا ہے اور دلِ افسردہ اُس کی ستم ظریفی پر زار زار

لیکن کبتک ؟ یہ گردشِ لیل و نہار کب تک ؟

بلیشر بریں نسبت کہ صباحِ فردا ، مؤسیقی سے معمور اک نیا پیغام سکون لائے ۔ حیات بخش پیغام راحت و سرور ۔

خطاب بہ لحد

اپنے خوفناک تصوّر سے مجھے بار بار نہ ڈرا ! تیرے وجود سے میں بے خبر نہیں ! اپنی وحشت ناک گہرائیوں سے آگاہ کرنے کی کوشش نہ کر ۔ مجھے خود بھی اس کا پوری طرح اندازہ ہے

مسکنِ جسدِ فانی ! مجھے موت سے نہ ڈرا ! یہ درس تو مجھے ازبر ہے اور دل کی گہرائیوں میں نوشتہ ۔

شہرِ خموشاں کا وحشت ناک ماحول اور غمگین فضا میرے لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتی ۔ نہ ہی ٹوٹے ہوئے کھنڈروں میں

پوشیدہ ہو تو اپنے فلسفے سے لاجواب کرسکتا ہے

وہاں کی چکر کاٹتی ہوئی چمگادڑوں میں۔ میں کوئی وجہِ خوف نہیں پاتی۔

میرے تخیلات کی وادیاں! وہ تو اک جاودانی روشنی سے اس طرح تاباں ہیں جیسے ارغوانی آسمان میں چمکتے ہوئے ستارے۔ وہ خواب سے زیادہ جمیل۔ موسیقی سے زیادہ لطیف! تبسم سے بڑھ کر حسین اور قوس و قزح سے کہیں خوش رنگ وادیاں۔

خزاں کو ان سے سروکار ہی کیا؟ اور بادِ سموم کا ان سے کیا تعلق۔

بربطِ حیات سے فنا کے درد انگیز گیت نہیں منتشر ہوا کرتے۔ نہیں نغماتِ حیات" انھیں نہیں کہا جاسکتا

بھوری بھوری سی سخت لحد! میرے جسمِ فانی کو پوشیدہ کرنے پر مفتخر نہ ہو۔ —— جسدِ بے روح اور گلِ بے بو کے وجود کا فائدہ ہی کیا؟

وہ تو ایسے ہی بیکار ہیں جس طرح حد سے زیادہ کھلے ہوئے پھول اور پتیاں ہوا میں اُڑ جاتی ہیں اور اُن کا

کوئی پُرسان حال نہیں .... جسم فانی ہے تو ہوا کرے میری روح تو لافانی ہے اور آسمانی بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے پرند کی طرح آزاد۔

آہ! میں نہیں مان سکتی کہ "صحیفۂ حیات" سورۂ موت پر ہی ختم ہوتا ہے۔

لرزہ خیز لحد! میری بڑھتی ہوئی شوریدگی کا مضحکہ نہ اڑا میں کیونکر یقین کروں کہ تیری آغوش ہی میرے سفر کی آخری منزل ہے۔

اُف! یہ کس طرح ہو سکتا ہے اس قدر جدّ و جہد کا نتیجہ اسے کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

ہر تاریک بادل کے پیچھے چمکتا ہوا سورج موجود ہے تو درجات فنا طے کرنے کے بعد "حیاتِ لافانی" کیونکر نہ ملے گی۔

میرے جسدِ فانی کو برباد کردے یا خاکستر۔

لیکن روح! ہاں قائم و غیر فانی روح!! وہ تو تیری دسترس سے اب بھی باہر ہے اور مصروفِ گلگشت و مستِ خرام۔

"قیامِ عارضی" کو میں "منزل آخریں" نہیں قرار دے سکتی آہ! اس کے ماننے میں مجھے تامّل ہے اور سکوت!

غارت گرِ پُراسرار لحد بمجھے اپنی فتنہ سامانی سے نہ ڈرا۔ "وقفۂ حیات" کو میں "خاتمۂ زیست" پر محمول نہیں کر سکتی

آہ! میں اپنے تخیّلات کو اس طرح متزلزل کر دینے سے معذور ہوں۔

سازِ شکستہ

جادۂ زندگی پر افسردگی اپنا سایہ ڈال رہی ہے طبیعت اس ماحول سے پریشان ہے اور قلبِ حزیں مضطرب۔

ان بڑھتی ہوئی شورشوں سے میں تنگ آ چکی ہوں

آہ! یہ اُلجھنیں!! جن سے آرزوؤں کی بڑھتی ہوئی کونپلیں جُھک جُھک جاتی ہیں اور خوابوں کے حسین پھول بہ یک تانیہ مُرجھا کر رہ جاتے ہیں۔

معبود! تیری وسیع دنیا کی روحانی خلشیں!! روح کی گہرائیوں میں پیوست ہونے پر بھی انھیں قرار نہیں۔

وقت اُڑتی ہوئی فاختہ کی طرح محوِ پرواز ہے اور ہر آنے والا لمحہ! محدود عرصۂ حیات گھٹاتا جاتا ہے ماضی کی

گہرائیوں میں نابود کر دیتا ہے۔ اُن برستے ہوئے بادلوں کی مانند جو آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

لیکن حیات کا یہ شکستہ ساز! اس نے تو گزری ہوئی مسرتیں بھی مٹا دیں اور آنیوالے لمحاتِ خوش آیند کا احساس بھی

اس سے نکلنے والے نغمے بھی تو پُر از سوز و ساز ہیں اور کائنات کو افسردہ کر دینے والے جیسے نا اُمیدیوں کا حصار چھا رہا ہو۔

کاش! یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو سکتا زندگی کا یہ سازِ شکستہ۔

اپنی جھنجھناہٹ کو خاموش کر دیتا اور بوئے گُل کی طرح غائب! تاکہ آرزوؤں کے ناکام افسانے ختم ہو جاتے اور بڑھتا ہوا اضطرابِ حیات سکون پذیر۔

بیاضِ دل

چرخِ نیلوفری سے لگاتار ستارے ٹوٹ رہے تھے وہ شبِ یلدا کی تیرگیوں میں اس طرح کھو جاتے جیسے کوئی حسین

سنگریزہ تالاب کی گہرائیوں میں غائب ہو جاتا ہے بغیر کسی نقش یا کے چھوڑے یا اپنی فانی ہستی کی یادگار

اسی طرح! آہ اسی طرح!! ہماری بڑھتی ہوئی آرزوئیں بھی ٹوٹتی رہتی ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں جلد! ستاروں کو تو قلبِ آسمان سے علیحدہ ہوتے کچھ دیر بھی لگتی ہے لیکن آرزوئیں تو فوراً چکنا چور ہو جاتی ہیں۔ بیک ثانیہ! ریزہ ریزہ ہو کر رہ جاتی ہیں

وہ ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی بلند آرزوئیں! آہ! وہ کس طرح شکستہ ہو جاتی ہیں اور سمندری گہرائیوں سے زیادہ عمیق دل میں نہاں اُمیدیں شرمندۂ تکمیل۔

قوس و قزح کے سے حسین خواب ہوتے ہیں اور نغموں کی طرح معصوم! لیکن اُن کی تعبیر! وہ تو صحرا کی اُس ریت کی طرح ہے جو ہر شے کو پریشان و منتشر کر دے۔

اور تمنّاؤں کے خوشرنگ غنچے! جو اک معمولی سی جنبش پر نہ فراموش ہونے والے کیف سے جھوم اُٹھتے ہیں لیکن حقیقت میں تو ان کا وجود ایسا ہے جیسے شاخِ خزاں زدہ پر مرجھایا ہوا پھول۔

مالک! ان آرزوؤں کی وقعت بے کار ہے!

تمناؤں کی قیمت عارضی! اور خوابوں کی فرحت موہوم۔

آہ! وہ تو ایسی ہی سراب آسا ہیں جیسے کنول کے پھول پر قطرۂ حباب! .... چشمکِ برق سے زیادہ بے حقیقت اور برشگال کی عارضی دھوپ جیسی ناپائیدار!

یہ دم توڑتی ہوئی شرمندۂ تکمیل آرزوئیں۔

محوِ گریہ کلیو!

محوِ گریہ کلیو! تم اس قدر آشفتہ خاطر کیوں ہو؟ کیا زندگی کا کوئی سہانا خواب شرمندۂ تکمیل رہ گیا یا کوئی شگفتہ ہونے کی آرزو دم توڑ رہی ہے۔

نہیں تو چمکیلی کلیو! تم اس قدر پریشان خاطر اور تباہ حال کیوں ہو؟

وہ شگفتگی کہاں کھو کر رہ گئی اور وہ پاکیزہ مسکراہٹ

کیا دنیا کے لئے تمھاری معصوم ہستی بھی ناقابل برداشت بوجھ ہے؟

مجھے تو ڈر ہے کہ تمھارے ننھے ننھے قلوب فرطِ الم سے شق نہ ہو جائیں۔

زندگی کے حسین خواب۔ آہ! وہ تو اسی طرح خیال بن بن کر اُڑ جایا کرتے ہیں اور بڑھتی ہوئی آرزوئیں بھی۔

مگر الم رسیدہ کلیو! اس رنج و الم سے کیا فائدہ۔ شرمندۂ تکمیل آرزوئیں کبھی پوری نہیں ہوتیں اور نہ سہانے خواب منّت پذیرِ تعبیر!

وقت! اُف!! یہ ظالم و خوفناک صیّاد! یہ تو اپنے ہر صید سے ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ اُسے بے بال و پر اور اسیرِ قفس کر دینے پر بھی اُسے چین نہیں۔

قدرت کی حسین ترین صنعتوں سے اس نے یہی سلوک کیا۔ سیکڑوں قلوب اس کی چیرہ دستیوں سے مُرجھا کر رہ گئے اور ہزاروں روحیں اس کے مظالم کے آگے سر نہ اُٹھا سکیں۔

تم اس طرح لرز رہی ہو جیسے ہوا کے جھونکوں سے اک ننھا سا چراغ ٹمٹمایا کرتا ہے۔ زمانے کا سرد و گرم چشیدہ ہونے کے لئے تو مصائب اُٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ اس کے نشیب و فراز کا اندازہ بھی تو اسی طرح ہوتا ہے ...... اس لئے حسین و معصوم کلیو! اس قدر دل برداشتہ نہ ہو اور معصوم تبسّم کی جگہ افسردگیوں کے حصار کو نہ دو۔

نیند کی دیوی

اس پُرشور دنیا کے جھگڑوں سے آزاد کرنے والی ملکۂ خواب!
اور میری تھکی تھکی آنکھوں کو بند کردے، میں اس دہر کی جانستانیوں سے
تنگ آچکی ہوں اور دلِ افسردہ اپنی بے چارگی پر پاش پاش ہے۔
نیند کی حسین دیوی! میری تھکن سے چور روح کو چھپا لے
اپنے سنہرے دامن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پوشیدہ کرلے۔
شب سیاہ لبادے میں ملبوس ہے ستارے سطحِ آسمان پر باسی
پھولوں کی طرح نظر آتے ہیں یا تند ہوا کے شوریدہ جھونکے کپکپا دیتے ہیں۔
مجسمۂ امن وسکون! میں اس ماحول سے تنگ آچکی ہوں
تو اک رس بھرا گیت سُنا! وہ گیت جسے سُنتے سُنتے موجیں ساکت
ہوجاتی ہیں اور ہر ذرّۂ کائنات خاموش! تاکہ میں اس دنیائے
مادیت سے نکل سکوں اور خوابوں کے حسین جزیرے میں پہنچ جاؤں
جہاں نہ یہ ہنگامے ہیں اور نہ بڑھتی ہوئی افسردگیاں۔
خوبصورت ساحرہ! مجھے اپنے سحر میں مسحور کرلے اور
ان غلطان و پیچاں افکار سے کچھ دیر کیلئے آزاد! تاکہ میں اس بے کیف
حیات کی الجھنوں کو بھول جاؤں۔ اسکی شورشوں کو فراموش کرسکوں

کاش! تو مجھے دور لے جاتی۔ اس دُنیا سے بہت دور منظرِ خواب جیسی جمیل وادی میں۔ نشیلے گیت سُنا سُنا کر سرشار کردیتی اور تمام گرد و پیش سے بے خبر۔

حکایتِ دل

دل! آہ صرف دو حرفی لفظ ہے لیکن کیسا فتنہ ساماں۔ کتنا ننھا سا ہے لیکن کیسا شوریدہ۔ کتنا معصوم ہے لیکن کیسا سنگدل۔ کس قدر بھولا ہے لیکن حد سے زیادہ ظالم۔

کبھی موت کی طرح یخ بستہ ہے تو کبھی مفلسی کے آنسوؤں جیسا گیلا۔ اگر خوابیدہ لہر کی طرح ساکت ہے تو شوخ جھونکوں کی طرح آوارہ خرام۔

قرار یک لمحہ سے بے نیاز ہے اور اطمینانِ قلبی سے محروم اس کے بڑھتے ہوئے مظالم کی کوئی حد نہیں اس کے افسانہائے بیدادگری حضرتِ انسان کو ازبر ہیں جیسے دنیا سے بے زار کردیا گیا ہے اور یہاں کی دلچسپیوں سے آشفتہ! بیش بریں!...... اس کی ہر لمحہ کسک ہے اور اضطراب۔ تڑپ ہے

اور گریۂ بے اختیار! اور پھر بات بات پر بگڑ بیٹھنا کہ سینکڑوں خوشامدیں بھی قابو میں نہیں لاسکتیں اور ہزاروں جتن ہیچ ہیں۔

چین! آہ یہ لفظ تو اس کے لئے عنقا ہے اور بالکل بے معنی۔

اللہ! اتنی سی جان!! اور اتنی مصیبتیں۔ اس قدر شورشیں اتنی اُلجھنیں! کہ نہ یک لمحہ قرار ہے اور نہ ذرّہ بھر فرصت۔

سکوتِ نیم شب میں یہ خلل ڈال دیتا ہے اور پُرسکون سحر میں رخنہ اندازی۔ اتنا اتھڑا ہے کہ ذرّہ بھر بھی تو زمانے کے نشیب و فراز کا اندازہ نہیں۔

اس کی فتنہ سامانی نے کائنات میں تہلکہ مچا رکھا ہے انسان کا دشمنِ ازلی ہے تو عندلیبِ خوشنوا اس کے دستِ تعدّی سے بے چین۔ پپیہا بے قرار ہے اور شیاما۔ ننھی سی موسیقار شیاما برشگال کی پُرکیف صبح بھی تو اسے قرار نہیں لینے دیتی۔

لیکن اس قدر وارفتہ خاطر ہونے پر بھی سب کو پیارا ہے اس کی بے وفائیوں کے باوجود سب اسکے والۂ و شیدا ہیں اور معمولی سے معمولی خواہش پوری کرنے کو دست بستہ تیار۔

معبود! اگر یہ ستم گر باوفا ہوتا تو یہ فریفتگی نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔

لیکن ان کمزوریوں کے باوجود حد سے بڑھکر خود دار
ہے اور ذرا سی ٹھیس لگنے پر ہستی تک سے منہ موڑنے کو تیار
پھر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اسے منا نہیں سکتی
اس کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے جوڑنا کسی کے بس کی بات نہیں۔
اللہ! اگر یہ نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ شاید حیات اک گلشن شاداب
ہوتی جسے نہ خوفِ صیاد ہوتا اور نہ خزاں کا دھڑکا۔
اسوقت نہ کوئل فریاد رس ہوتی نہ بلبلِ شیدا مضطرب
آہ اب حیات کیسا روح پرور خواب ہوتی۔ پُرکیف
اور کبھی نہ فراموش ہونے والا خواب!۔

گریہ پیہم

اُف! یہ نہ دریافت کرو کہ اس پُرکیف اور حسین
رات میں اُداس کیوں ہوں۔ ایسے وقت میں جبکہ کائنات کو
ماہِ تاباں بقعۂ نور بنا رہا ہے مجھے ہر طرف تاریکی ہی تاریکی
کیوں نظر آتی ہے؟
افسردہ دلوں کے لئے تو تاریک بداماں راتیں بھی

ویسی ہی ہیں جیسے شب ہائے جلوہ ساماں ۔

میری روح ! آہ وہ تو گم کردہ راہ مسافر کی طرح آوارہ ہے ۔ شوریدہ لہروں کی طرح بے چین ہے اور محوِ فغاں جھونکوں کی طرح بے اختیار ۔

تو پھر جب روح کو قرار نہ ہو تو لطفِ حیات کیا اور اس مسحور کن ماحول کا اثر کیسا ؟

یہ پوچھنا بیکار ہے کہ ایسی پُر سرور رات میرے دل کے خوابیدہ نغموں کو بیدار کیوں نہیں کر دیتی ؟ ...... آہ دلِ پژمردہ اس کے تار شکستہ ہو چکے ہیں اور نغمے خاموش ! اس میں نہ آرزوئیں ہیں اور نہ نئی نئی اُمنگیں

یہ نہ پوچھو ! کہ بہار کی اس چمکیلی صبح میں افسردہ کیوں ہوں ؟ .... اٹھکھیلیاں لیتے ہوئے جھونکے دل میں خوشی کی لہر کیوں نہیں پیدا کر دیتے اور اوّلین شعاعِ آفتاب شادابیٔ حیات عطا کرنے سے معذور رہے اور شفق کے کناروں سے بکھری ہوئی تاریں اپنے حلقۂ دام میں کیوں نہیں لے لیتیں ۔

آہ ! مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہوا کے جھونکے سرد آہیں بھر رہے ہیں، شعاعِ آفتاب حاملِ رنجِ قلبی ہے اور شفق کی سرخی

یہ گہری گہری سُرخی! میرے بڑھتے ہوئے الم کی تاب نہ لا کر دلِ فگار

یہ نہ کہو کہ مسرور ستارے میری شوریدگی پر ہنس رہے ہیں چاند میری حالت کا تمسخر اُڑا رہا ہے اور زرّیں مسکراہٹوں والا آسمان خندہ زن۔

آہ نہیں! ستارے تو باسی پھولوں کی طرح مُرجھائے جاتے ہیں۔ شاید مجھے مضطرب دیکھ کر خود بھی اُداس اُداس ہیں چاند خاموش ہے اور آسمان ساکت!

اطمینانِ قلبی اور مسرتِ رفتہ!! اُف یہی چیزیں تو مجھ سے چھین لی گئیں۔ وقت کی ظالم اُنگلیوں نے نوچ کر فضا میں منتشر کر دیں........ اب دلِ حزیں پر بارِ الم ہے اور ناتواں روح پر افسردگی کا بوجھ۔

اپنی "محبت" سے

کاش! موت کے بھیانک ہاتھ۔ تمھیں مجھ سے علیحدہ نہ کر دیتے۔ تمھارے مقدس وجود کو لے کر وادیٔ فنا میں پرواز نہ کر جاتے۔ اور دنیا۔ وسیع و روشن دنیا کو میری نگاہوں میں تاریک

نہ بنا دیتے

اس وقت ! ہاں اُس صورت میں !! نہ تن کا تعلق جان سے بعید ہوتا نہ طالب اپنے مطلوب سے دُور !

تب تم اپنی ضیا پاش نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر مُسکراتیں ۔ اپنی محبّت بھری آنکھوں سے مجھے حیاتِ نو عطا کرتیں

اور میں تمھارے مقدّس قدموں کو آنسوؤں سے دھوتی ۔ اپنی تشنگی کو اِس طرح بُجھاتی ! اور محبّت کے قیمتی آنسوؤں سے اپنی عاقبت "محمود" کرتی ۔

دہر کے بڑھتے ہوئے تفکّرات مجھے گُھن کی طرح ختم کر رہے ہیں ۔ کاش ! میں اپنا تھکا ہوا سر تمھاری گود میں رکھ سکتی میٹھے میٹھے سانسوں میں کشاکشِ حیات بھول جاتی ۔

تمھارے مُقدّس لبوں سے شیریں اور تسکین دِہ الفاظ سُنتی اور اِک فردوسی دنیا میں گُم ہو جاتی ۔ جہاں نہ یہ آلام ہوتے اور نہ تفکّرات ۔

یاس و الم کے حصار نے مجھے ہر طرف سے محیط کر لیا ۔ میں بالکل بے دست و پا ہوں اور یہ ناقابلِ برداشت بوجھ اُٹھانے کے ناقابل ۔

کاش ! میں تمھارے مقدّس سایۂ عاطفت میں ہوتی تاکہ نہ ان غموں کا احساس ہوتا اور نہ دُکھوں کی کچھ پروا ! ۔...... پرسشِ حال میں خلوص کے نغمے ہوتے اور پیاسی روح کیلئے بارانِ رحمت ! مجھے دنیا میں ہی جنّت مل جاتی اور اپنی وجہ ہستی !

تن کو جان مل جاتی اور طالب کو مطلوب ...... اور پھر میں تمھاری رہبری میں سفرِ حیات طے کرتی ۔ قدم قدم پر یہاں کی لذّتوں سے لطف اندوز ہوتی اور مسرّتوں سے مسرور ۔

اللہ ! اُس وقت ہر صفحۂ حیات نہ معلوم کیسا افسانوی ہوتا اور حاملِ عشرت ہائے گوناگوں ۔

فردا سے

حسین و پُراسرار فردا ! تیرا تصوّر میرے لئے باعث تقویت ہے اور وجہ سکونِ قلب ۔

جب اوراقِ ماضی اُلٹتے اُلٹتے طبیعت پریشان ہو جاتی ہے یا حال کی پیچیدہ گھڑیاں اور تحیّر زا واقعات بے حال کر دیتے ہیں تو میری افسردہ نگاہیں تجھے آسمانی خلاؤں میں ڈھونڈتی ہیں

فضا کی گہرائیوں میں تلاش کرتی ہیں

اور تو من موہنی فردا! میری دنیائے تخیل میں اسطرح چھا جاتی ہے جیسے پہلی شعاعِ آفتاب سے جھیل کا پانی جگمگا اُٹھے۔

جب زندگی ہر طرف سے رنج و ملال میں گھر جاتی ہے اور کوئی صورت چھٹکارے کی نظر نہیں آتی۔ حیات اک بے رونق صبح کی طرح معلوم ہوتی ہے اور برہمیٔ مزاج فطرت کا شکار۔ تو اُسوقت اے متاعِ صبر و قرار!! تو تکالیف کے ان کالے کالے بادلوں سے نفوذ کرتی ہے۔ اُمیدوں کا کارواں در کارواں لئے ہوئے۔ اور طمانیتِ قلب کی پھوار بن کر۔

ایسے وقت میں بھی جب قوم کی عظمتِ ماضی کا احساس قلب کو مجروح کر دیتا ہے۔ فکرِ مستقبل روح کو برماتا ہے اور ابنائے وطن کی پستی کا تصوّر حاوی بر دماغ و دل۔ تو تو اے فردائے درخشاں! وقت کے دھندلے اور تاریک سائے سے اس طرح نزول کرتی ہے جیسے سطحِ آب پر رقصاں ستارۂ سحر۔

محض تیرا ہی بھروسا ہے کہ اک پُر کیف مستقبل شعاعِ اُمّید بن کر آتا ہے اور دلِ پژمردہ کو مسرور و شاداب کر دیتا ہے تیری ہی آمد بیداریٔ قوم کی حامل بن کر آتی ہے اور ارتقائے

قوم کا پیغام بصیرت افروز ۔۔۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود! اے فردائے پنہاں!! میں یہ سوچ کر متوحش ہو جاتی ہوں اور اس تصوّر سے لرزہ براندام! + ! کہ آنے والی صبح کے روپ میں وقت کون سی کروٹ لے گا۔

مصائب کے تیروں کی بوچھار لے کر آئے گا یا کیف و مسرّت کے انبار ۔۔۔۔۔ آہ! مجھے نہیں معلوم! کہ تو کونسے رنگ میں تسلّط بر کائنات کرے گی؟ ظلمت بداماں بن کر یا پُرکیف و جلوہ ساماں۔

کس قدر راز سربستہ ہے تیری ہستی! اے فردائے وجہ تسکیں!! اور کیسی حائل صبر و سکوں۔

ماں

دنیائے فردوس کے پُرمسرّت ترانوں میں وہ کشش نہیں اور نہ بربط شیریں سے نکلے ہوئے پُرفضا نغموں میں وہ شیرینی ہے پہاڑی جھرنوں کی سہانی آواز ایسی مسرور کن نہیں اور نہ ہی سمندری ہواؤں کے جلترنگ میں وہ لطافت ہے۔

ماہ چہار دہم کی تابانی اس قدر پُر کیف نہیں اور نہ ہی حسین پھولوں کے حُسن میں اس قدر دل کشی ہے۔

کائنات کی دلفریبیاں اس پیارے نام کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس کے تمام افسوں، ماں کے مقدس تبسم کے آگے ہیچ ہیں اس ذرۂ ناچیز کی طرح! جو مہر عالمتاب کا مقابلہ کرنے سے معذور رہتے

دنیا کی تمام مسرتیں اس ایک لفظ میں مجتمع ہیں اور تمام لطافتیں اسی میں پوشیدہ! دہر کی تمام خوبیوں کا مجموعہ یہی مقدس ترین ہستی ہے اور محفلِ حیات کی آرائش۔ جس کا وجود اُس شیریں راگ سے کم نہیں جو سنسان اور تاریک راتوں میں سب کو متوجہ کر لیتا ہے۔ از سرِ نو تازگی حیات عطا کرتا ہے

ماں اک نعمت ہے۔ نایاب نعمت!! اس کا نعم البدل ناممکن ہے قطعی ناممکن!! زمین کی گہرائیاں اس جواہر کو اُگلنے کے ناقابل ہیں اور آسمان ایسا فرشتۂ رحمت بھیجنے سے قاصر۔

دولتِ کونین اس کے آگے کچھ حیثیت نہیں رکھتی اور نہ کائنات کی کیف آفرینیوں میں اس کے بغیر کیف ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں! جو اس بے بہا نعمت سے مالا مال ہیں جن کے سروں پر ماں کا مقدس سایہ ہے اور اُس کے

میٹھے میٹھے سانسوں میں پوشیدہ جنت۔

اور اس بدنصیب کا کیا ذکر جو اس مخزنِ لطف و کرم سے محروم ہے جسکی بہارِ حیات پر وقت سے پہلے ہی خزاں نے غلبہ پالیا

خوابوں کے جزیرے

سحر کے ملگجے اور دھندلے سمے میں ہوا شور مچا رہی ہے اسکے لطیف جھونکوں سے پھولوں کی پتیوں پر سے شبنم کے قطرے اس طرح گرتے ہیں جیسے نو گرفتار عروس سحر کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہوں جو کائنات کی تجدیدِ حیات ہیں اور دہر کی شادابی کا باعث۔

درختوں کی آڑ سے آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ اس کی دھندلی کرنوں نے تعاقبِ تاریکی شروع کر دیا جیسے گناہگاری کے اہرمن کے پیچھے آسمانی فرشتے بھاگ رہے ہوں اسکے ناپاک وجود سے کائنات کو پاک کرنے میں کوشاں ہوں۔

سنہرے اور قرمزی بادل آسمان پر لہرا رہے ہیں وسیع خلاؤں میں بار بار چکر کاٹتے ہیں جیسے مقدس روحیں مصروفِ گلگشتِ چمن ہوں۔ فضائے لامحدود میں اُڑ کر

جوئبار نور پھیلا رہی ہو۔
غنچے کھل کھل کر پھول بن رہے ہیں۔ ان کی تیز
اور سہانی خوشبو دور دور تک مہک رہی ہے
جیسے کوئی جل پری مشکیں لباس میں ملبوس ہواؤں
میں اُڑ رہی ہو۔ سب کو مدہوش اور سرشار کر رہی ہو

جستجوئے سکون

میری تھکی ہوئی روح متلاشیٔ سکون ہے اور تنگ آیا
ہوا دل اطمینان کا متجسس۔
جب نسیم سحر شرمیلی سرسراہٹ سے غنچوں میں سے گزرتی
ہے تو نہ معلوم لہجۂ سرگوشی میں ان سے کیا کہہ دیتی ہے کہ وہ فرطِ مسرّت
سے کھلکھلا اُٹھتے ہیں ایک اندازِ بیخودی میں تالیاں بجانے لگتے ہیں؟
اللہ! مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ شاید نسیم سحر نے
ان سے کوئی راز کہہ دیا ہے۔ انھیں امن و سکون کا پتا بتا دیا ہے
لیکن جب یہی غنچے پھول بن جاتے ہیں حد سے زیادہ کھل کر
فضا میں منتشر ہو جاتے ہیں تو میری مایوسی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا

آہ ! دلِ بے قرار و تشنۂ سکون !!

سمندری لہریں اک عالمِ بے نیازی میں آگے بڑھتی ہیں گرد و پیش سے بے خبر قہقہے لگاتی آگے جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آشنائے سکون ہیں اور بہرہ اندوز راحتِ قلبی۔

لیکن معبود ! جب وہ ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ ایک مشتِ خاک اور سمندری جھاگ میں تبدیل ہو جاتی ہیں تو مجبوراً مجھے اپنی رائے بدلنی پڑتی ہے۔ آہ ! وہ تو جانِ شیریں دے کر بھی سکونِ قلبی نہ پا سکیں۔ دمِ واپسیں بھی تو انھیں طمانیت نہ نصیب ہو سکی

روشن اور چاندنی راتوں میں جب چاند آہستہ آہستہ راستہ طے کرتا ہے جیسے ملکۂ فطرت آسمانی فضاؤں کی سیر کر رہی ہو روح کی طرح مبارک اور نغمے کی طرح معصوم ماہ پوری شوخی پر ہوتا ہے اور تا حدِ امکان مسرور و خندہ زن۔

گویا سکون تاب سے مالا مال ہے اور لطفِ حیات سے پوری طرح بہرہ اندوز۔ لیکن اسی سمے ! آہ اسی لمحے !! اک لکۂ ابر اسے نگاہوں سے پوشیدہ کر دیتا ہے اور خلائے آسمان میں نہاں۔

چاند کی تابانی غائب ہو جاتی ہے اور چاندنی مفقود از نظر اس وقت میری ناکامی کی انتہا نہیں رہتی ! مالک !!

ماہِ منور بھی تو سکونِ قلب سے محروم ہے۔

ارغوانی آسمان پر ستارے جگمگاتے رہتے ہیں طلوعِ آفتاب کی زرّیں کرنیں احاطۂ کائنات گھیر لیتی ہیں اور روپہلی و قرمزی بادل صفحۂ آسمان پر اس طرح اُڑتے پھرتے ہیں جیسے سفید پروں والے فرشتے مصروفِ خرام ہوں۔

مگر آہ! میرا مایوس دل!! وہ تو اب بھی تشنہ ہے اور طمانیت کی پھوار کیلئے بے قرار! جیسے پُرسکوت ساز کے سینے میں نغمہ لرز رہا ہو۔

تو مالک! تیری اس وسیع کائنات میں کہیں سکون کا وجود بھی ہے یا نہیں!؟!

میری روح اسکی جستجو میں خیاباں خیاباں جگر کاٹ رہی ہے۔ دلِ مضطر حد سے زیادہ مضطرب ہے اور بے چین۔

لمحۂ نشاط آگیں

وہ پُرکیف و روح پرور لمحہ!!

خزاں کے دُھندلے دُھندلے آسمان پر ستارے رقص کر رہے تھے۔ چاند بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا اور ہوا شرمیلی

سرسراہٹ سے درختوں میں چھپی ہوئی چل رہی تھی۔ جیسے کوئی معصوم جل پری جھجک جھجک کر آگے بڑھ رہی ہو۔

اُف! وہ لمحۂ کیف انگیز!! جو خواب کی طرح خوش گوار تھا اور موسیقی جیسا لطیف۔ جھیل کے ساکت پانی پر چاندنی ناچ رہی تھی۔ نیند کا فرشتہ اپنے سفید پر پھیلائے ہوئے تھا اور ہر چہار طرف ہلکی ہلکی مدہوشی چھا رہی تھی۔

جیسے کسی خواب آور نغمے کے زیر اثر کائنات بےخود ہو اور سرشار۔

وہ لمحۂ نشاط انگیز! جو تبسم جیسا خوبصورت تھا اور برق جیسا حسین!! جھاڑیوں میں کہیں کہیں جگنو چمک رہے تھے دور آم کے درختوں سے کوئل بار بار کوک اُٹھتی۔ اُس کی آواز موسم بہار کی پھوار کی طرح روح پر چھا جاتی۔ ہواؤں میں ارتعاش پیدا ہو رہا تھا اور فضا میں مسلسل لرزش۔

جیسے ننھی ننھی بوندیں آبشار میں گر کر ہلکی ہلکی لہریں بناتی ہیں

وہ لمحۂ نشاط آگیں! جو قوس و قزح کی طرح رنگین تھا اور شفق کی طرح دلفریب!!

مادرِ ہند

مادرِ ہند! تو مغموم ہے اور افسردہ!! شفّاف و پُرشکوہ جبیں پر اُفتادِ زمانہ کی شکنیں ہیں اور حسین و ملیح چہرے پر ہلکی ہلکی زردی!! تیری آہوئے رمیدہ جیسی آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں؟ کونسی خلش تجھے بیقرار کر رہی ہے۔ اندر ہی اندر گھُن کی طرح کھا رہی ہے۔ تیری وجہ پریشانی یہ تو نہیں؟ کہ آزادی کا جگمگاتا تاج چھن گیا یا اغیار کی نظروں میں شرمندگی کا احساس قلب کو نشتر کیطرح چیر رہا ہے

بڑھتا ہوا درد اپنی دوا آپ ہی بن جاتا ہے، مادرِ ہند! غلامی آخری درجے پر پہنچ کر خود ہی ذوقِ عمل پیدا کر دیگی تیرے فرزندوں کی رگِ حمیت کبھی تو جوش میں آئے گی۔ وہ اپنی حالت پر محجوب ہونگے اور احساسِ کمتری سے خجل۔

ماضی کی تلخ کہانیاں بھول جا! مادرِ وطن!! ایک مرتبہ! محض ایک مرتبہ!!! اپنے فرزندوں کو پیار سے بُلا! وہ غیور ہیں سمٹ سمٹا کر تیرے سائے میں جمع ہو جائیں گے تاکہ زر و مال تیرے قدموں پر نچھاور کر دیں اور جانیں تیرے ناموس پر فدا۔

اس وقت! ہاں تب!! یہ زنجیریں کٹ جائینگی جو

وہی آزادی ہوگی اور کبھی نہ فراموش ہونے والا کیف !

اُف ! یہ ردلئے عنبریں کیسی ؟ شاید اس رنج والم کا نشان ہے کہ تیرے بچے، تیری آغوشِ محبّت میں پروان چڑھے بچے، تیرے فرمان سے باہر ہو رہے ہیں۔ تعلقِ قلبی اور رشتۂ خونی رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے آشفتہ خاطر ہیں۔

لیکن محبّت کی انتہا بھی تو یہی ہے۔ وہ محبّت ہی کیا جس میں بدگمانی نہ پیدا ہو۔

اور پھر ! وہ تو مجبور ہیں اور ناتوان !! غلامی کے تاریک قفس میں بند رہ کر اُن کا جذبۂ احساس کچلا جا چکا ہے اور روحِ آزادی سلب ہوگئی۔ اب وہ پہلے سے جوش و خروش سے عاری ہیں اور بڑھتی ہوئی اُمنگوں سے بے گانہ !

وہ یہ بھول چکے ہیں کہ ہم سب "ایک" ہیں

تو اُنھیں آزادی کا شیریں نغمہ سُنا دے۔ علم کے میٹھے چشمے سے سیراب کر دے۔ محبّت و شجاعت کی کہانیاں سُنا۔ اخلاق کی دولت عطا کر اور جوہرِ پاکیزگی ! پھر اُن کی وہ غفلت و شوریدگی بھی اُتر جائے گی۔ نقاہت و جہالت غائب ہوجائے گی۔ اغیار کی حقارت کا احساس ہوگا اور اپنی کمتری کی کھٹک !

وہ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ یہ کہتے ہوئے "کہ ہاں! ہم نادم ہیں اور سچے دل سے پشیمان !

اور اس وقت! تیری مقدس آغوش میں بیٹھے میٹھے سانسوں میں اور ضیاء پاش نگاہوں میں انھیں وہ چیز ملے گی جس سے وہ اب تک محروم رہے

تب! ہاں اسوقت!! کامیابی ان کے قدم چومیگی۔ درِ آزادی خود بخود وا ہو جائے گا اور علم کی دیوی مہرباں .... آسماں عقیدت کے پھول برسائے گا اور زمین پُرمسرت ترانے الاپے گی۔

اللہ! کیسا یادگار ہوگا وہ لمحہ بھی!! جب صبح کے بھولے شام کو گھر واپس آجائیں گے۔

"راہبر"

میں حیات کی طویل گھاٹیوں کو عبور کر رہی تھی اس کی بے پناہ وادیوں کو طے کر رہی تھی۔ تمھاری راہبری میں خوشی خوشی آگے بڑھتی اور سنبھل کر چل رہی تھی۔

یہاں کے پُرخطر راستے میرے لئے بے معنی کھیل تھے اور پیچیدہ

شاہراہیں وجہ انبساط و سرور !

دہر کا ذرّہ ذرّہ میری مسرّتوں کا شریک تھا حسین تتلیاں اپنے سنہری پنکھ پھڑپھڑا کر اظہار شادمانی کرتیں اور جگمگاتے ہوئے تارے ہنس ہنس کر اپنی شادکامی کا یقین دلاتے! تمھاری معیّت میں سفرِ حیات مجھے اک سہانا سا خواب معلوم ہوتا تھا اک حسین و پُرکیف خواب !

لیکن اب! جب کہ حیات کا کٹھن سفر شروع ہوا یہ آبلہ پا اور بے بال و پر کر دینے والا سفر! جہاں چپّے چپّے پر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر گام پر روح فرسا مناظر کا مشاہدہ۔

تو کسی پوشیدہ طاقت نے تمھیں مجھ سے دور کر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے علیحدہ۔

اُف! اک بیکس سے اُس کا آخری سہارا بھی چھوٹ گیا! اُس کے سرمایۂ حیات کو اُس سے چھین لیا گیا

اب میں اکیلی ہوں۔ اس برگ خزاں رسیدہ کی طرح جسے بگولوں نے لق و دق صحرا میں لا پھینکا ہو۔ . . . اپنی تنہائی کے خیال سے متوحش ہوں اور تمھاری آمد کی منتظر۔ کہ شاید کبھی تمھیں میری بے بسی پر رحم آجائے اور تم اس طرف آنکلو . . . . . آہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ محض خیال ہی خیال ہے۔ مجھے تمھارا انتظار ہے شدید انتظار!

وہ عہد مسرت و انبساط ختم ہو چکا۔ اب نااُمیدی کا حصار ہے اور ہجوم پریشانی! آہ! میرا دل افسردگی کی گہرائیوں میں تیر رہا ہے میری مشفق راہبر! عزیز ترین دوست!! جب فنا کے لرزہ خیز ہاتھ مجھے ان فضاؤں میں پہنچا دیں گے۔ جن سے میں مانوس نہیں! جہاں کی ہر شے میرے لئے اجنبی ہو گی اور ہر ہستی بیگانہ۔ جہاں اک مہیب سا خوف فضا میں سانس لیتا ہو گا اور ہر طرف شب یلدا کی سی تیرگی!

کیا وہاں! اس وقت بھی تم میری مدد کو نہ آؤ گی۔ میری آخری منزل کی آخری مددگار بن کر مجھے اپنی پناہ میں نہیں لو گی؟ کیا میرا انتظار! میرا بڑھتا ہوا انتظار!! اُس وقت بھی مبدّل بہ مسرت و نشاط نہ ہو گا!

آہ! میری مونس اور ہمدرد جو کچھ ہو۔ تم اور صرف تُم ہی ہو!

دل کی کلی

خشک اور مرجھائے ہوئے پتوں کی جگہ بہار کی شاداب کونپلوں نے لے لی تھی۔ وہ پھول جو کبھی دل شکستہ ہو کر گر گئے تھے آج نئی نئی چمکیلی کلیوں کی شکل میں دکھائی دے رہے تھے ہر طرف

مسرت و شادمانی کا دور دورہ تھا اور رعنائی و کیف آفرینیٔ بہار۔
اک تختۂ گلاب سے بلبلِ شیدا نے اپنا راگ شروع کر دیا جیسے بہار
کی دیوی نغماتِ شادمانی گا رہی ہو...... وہ اپنے گزشتہ مصائب بھول
چکی تھی اور دورِ خزاں حرفِ غلط کی طرح اُس کے دل سے محو ہو گیا تھا
اب ہی عندلیبِ خوش نوا تھی اور وہی اُس کے ترانہ ہائے بہار۔

اُس کے نغمّے سے قلب کا مسرّتوں نے حصار کر لیا تھا اور
غنچے کھل کھل کر پھول بن رہے تھے

لیکن وہ کھلے تو تھے خواہ اک عارضی عرصہ کے لئے سہی......

بلبلِ شیدا مسرور تو تھی.... خواہ وہ مسرت برق آسا ہی کیوں نہ تھی

مگر وہ محرومِ تمنّا اور ناکامِ آرزو کیا کرے؟ جس کے دلِ
حزیں کو کبھی کھلنا نصیب ہی نہ ہوا ہو جس کی قلبی گہرائیوں میں
ہر وقت خزاں ہی چھائی رہتی ہے۔

جس طرح روشنی کی کرنیں تعاقبِ تاریکی کرکے اُسے مٹادیتی
ہیں اُمّید کی کرن میرے غم رسیدہ قلب کو بھی جگمگایا کرتی تھی۔ اپنی
دنیائے تخیّل میں، میں مسرور تھی اور خواہشوں کے بر آنے کی غلط
توقّع پر شاد شاد۔

قوسِ قزح جیسی رنگین! اور صبحِ درخشاں جیسی سہانی تمنّائیں!

وہ عرصۂ دراز تک میرے دل میں پرورش پاتی رہیں لیکن لذتِ بہار سے آج تک محروم رہیں اور شرمندۂ تکمیل ہونے سے معذور۔

آہ! امتدادِ وقت نے تو اُن کے مدھم سے نقوش بھی مٹا دیے جیسے کسی مجذوب کی آواز فضا میں تھرتھرا کر غائب ہو جاتی ہے اسی طرح میری آرزوؤں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا پھر واپس لوٹ کر نہ آنیکے لئے ہر آنے والی شب ظلمت بداماں بن کر آتی ہے۔ کسی خفتہ بخت کے نصیب کی طرح سیاہ و تاریک۔ میرے الم رسیدہ دل پر بھی یاس کی سیاہی چھا رہی ہے اور اُس کی مرجھائی ہوئی کلی۔ آہ! اُس کی تو پنکھڑیاں منتشر ہیں اور بڑھتی ہوئی ناکامیوں کی شاکی۔ اسے تو شاید زندگی کی بڑی سے بڑی فصلِ بہار بھی نہ کھلا سکے

انقلاب

بہار جو ہر سال کائنات کو رشکِ ارم بنا دیتی تھی آج بھی پورے وقار سے جلوہ گرِ عالم ہے مع اپنی رعنائیوں اور کیف آفرینیوں کے۔ گھنی جھاڑیوں میں بلبل اُس کے خیر مقدم کے ترانے گا رہی ہے۔ کوئل کی کوکو ہے اور پتوں کا رقص! ناچتا ہوا سبزہ ہے

اور عالمِ بیخودی میں اُڑتے ہوئے بادل۔

دنیا حسن بن صبّاح کی روایتی جنّت سے بڑھ کر خوشنما معلوم ہوتی ہے جیسے اک چشمۂ مسرت پھوٹ پڑا ہو...... اور ہر تشنۂ مسرّت کو مدہوش و سرشار کر رہا ہو۔

لیکن مجھے تو اس کے بہنے کے انداز میں کسلمندی نظر آتی ہے جیسے تمھارے دائمی مسکن پر رنج و تاسف کے چھینٹے اُڑاتا بہہ رہا ہو مجھے تو اس بہار میں بھی آمیزش خزاں معلوم ہوتی ہے جبھی تو بلبل کے میٹھے گیتوں میں درد کا عنصر ہے۔ کوئل کی کوک سراپا سوز ہے اور اُڑتے ہوئے بادل، بادلِ گرفتہ۔

میرا دل جو کبھی حد سے بڑھ کر پُرسکون تھا اور طمانیت قلبی سے مالا مال! آج ریت کے ذرّوں کی طرح پریشان ہے اور گرجتی ہوئی موجوں کی طرح بے قرار۔

آہ! تمھارے بعد تو اس کی شوریدگی بڑھتی جاتی ہے اور تڑپ ہر لمحہ بہ لمحہ افزوں تر! میں ہر روز دیکھتی تھی کہ حد سے زیادہ کھلے ہوئے پھول مرجھا جاتے ہیں اور پتیاں ہواؤں میں اُڑ جاتی ہیں فضاؤں میں منتشر ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غائب از نظر۔

لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تمھیں کھو کر میرا مسرور دل بھی

یوں ہی پژمردہ ہو جائے گا۔ ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لئے راحت و سکون سے محروم

قطراتِ شبنم کو گلاب کی پتیوں پر لرزاں دیکھ کر میں افسردہ ہو جاتی تھی اور شعاعِ آفتاب میں جاذب ہوتے دیکھ کر پژمردہ!

لیکن مجھے اس بات کا خیال ہی کب تھا کہ تمھاری مقدس یاد میں مجھے بھی آنسو بہانے پڑیں گے۔ قطراتِ شبنم کی طرح تھرتھراتے آنسو! جو میری نذرِ عقیدت ہوں گے اور دنیائے فانی کا آخری تحفہ۔

دیوار پر کانپتے ہوئے سائے اکثر مجھے متوجہ کر لیتے تھے کہ کہیں بے قرار روح تلاشِ سکون میں تو نہیں بھٹک رہی۔ غیر مرئی وادیوں کی کوئی ہستی راستہ تو نہیں بھول گئی۔

لیکن آج! میری روح بھی اسی طرح بھٹک رہی ہے تمھاری تلاش میں مسلسل چکر کاٹتی ہے اور مایوس ہو کر لوٹ آتی ہے مجبور و ناکام تمنا۔

آہ! مجھے کیا معلوم تھا کہ موت اس قدر حامل راز ہائے سربستہ ہے۔ اتنی سبب مفقودِ سکون ہے اور ایسی وجہ انقلاب!

سرسراتے ہوئے جھونکو!

سرسراتے ہوئے جھونکو! تم اس قدر آشفتہ نوا کیوں ہو؟ بربادی

کی جگہ بے قراری نے کیوں لے لی ؟ تمھارے تصوّرات کی فلک بوس چٹانیں مسمار ہو کر رہ گئیں یا تمنّاؤں کے گزرتے ہوئے قافلے راستہ بھول گئے ۔

نہیں تو پھر پُرغضب جھونکو ! تم اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو ؟ وہ ناز بھری اٹکھیلیاں کہاں کھو کر رہ گئیں اور وہ ننھی ننھی کلیوں کے ساتھ معصومانہ شرارتیں ! ..... جب وہ گھبرا کر اپنی حیران حیران سی آنکھیں وا کر دیتی ہیں ۔

تم اپنے دل پسند کھیلوں سے اس قدر بیزار کیوں ہو گئے ہو کہ دیوانوں کی طرح اونچی اونچی پہاڑیوں سے سر ٹکرا رہے ہو اور گرجنے والی موجوں سے اُلجھ رہے ہو ۔

آخر ہستی سے اس قدر نفرت کیوں ؟ اور یہ بڑھتا ہوا جوش و الم کہیں تمھارا کوئی حسین خواب تو ان پہاڑیوں میں دفن نہیں یا شوریدہ موجوں کی آغوش میں کوئی سہانی آرزو ڈوب کر رہ گئی ۔

محو گریہ جھونکو ! اس قدر ملول ہونے سے کیا فائدہ ! کیا پہاڑیاں ان شیریں خوابوں کو اُگل دینگی یا موجیں نگلی ہوئی آرزوؤں کو سطح سمندر پر لا ڈالینگی ؟

رفتہ و گزشتہ باتوں کو دُہرانے سے کیا فائدہ ! اور

ازمنۂ ماضیہ کے اوراق پلٹنے سے کیا حاصل؟

تم شدّت الم سے لڑکھڑا رہے ہو۔ غروب آفتاب کی آخری کرن کی طرح! جو شام کی آغوش میں کانپا کرتی ہے

لیکن یہ بڑھتی ہوئی شوریدگی آخر کب تک؟ یہاں کا تو ذرّہ ذرّہ بر نہ آنے والی خواہشوں کا شاکی ہے اور غنچہ غنچہ شرمندۂ تکمیل آرزوؤں سے نالاں۔

عنانِ صبر تو ہاتھ سے دینا ہی کفر ہے اور ناامیدیوں کا سب سے بڑا سبب! ..... فطرت تو نہ معلوم کس کس طرح امتحان لیا کرتی ہے خواہ اس میں پورے اترو یا منزل اولین پر ہی تھک کر بیٹھ رہو

اس لئے! محوِ الم جھونکو!! اس قدر پژمردہ خاطر نہ ہو خرام ناز اور اٹھکھیلیوں کی جگہ درد و ناشکیبائی کچھ زیبا نہیں معلوم ہوتی

جو لمحہ موج حوادث سے ہنستے کھیلتے گزر جائے وہی غنیمت ہے اور وجہ سکون و قرار۔

میدانِ حرب

آلودگیٔ کارزار تمام دہر پر مسلط ہو گئی ہے، پُرسکون میں

کا چپّہ چپّہ خون معصومیت سے گلرنگ ہے اور ذرّہ ذرّہ انسان
کی سفّاکی کا شاکی۔ ہر طرف اندھیری رات کی سی خاموشی ہے اور موت
کا بڑھتا ہوا سکوت، پُرخوف و لرزہ خیز سکوت!

کبھی کبھی سمندر کی آہ و بکا زمین پر سے گزر جاتی ہے یا پَر
پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے فضا کو مرتعش کر دیتے ہیں..... اور سب
خاموشی ہے شہرِ خموشاں کی سی دہشتناک خاموشی۔

کائنات افسردہ و ساکت ہے اور فرشتۂ موت کے گہرے
گہرے سانسوں سے کہر آلود!..... جیسے جنگ کے دیوتا نے
اپنی خونخوار انگلیوں سے اُس کی نبض تھام رکھی ہو۔

میدانِ جنگ کی وسعت بڑھتی جاتی ہے ہر لمحہ ترقی پذیر ہے
ستاروں نے یہ خونچکاں داستانیں سُن کر آنکھیں بند کر لیں۔ چاند
کو یہ درد انگیز افسانے زرد سے زرد تر کر رہے ہیں اور ہوا پُرخوف
کہانیاں سُن کر دیوانوں کی طرح سر ٹکرا رہی ہے۔

کائنات وحشت و بربریت انسان کا شکار ہے اور
دق کے مریض کی طرح نیم جان...... ہوا کے جھونکے کسی دلِ شکستہ
کی طرح چلّا رہے ہیں۔ آسمان کی آنکھوں سے کسی سیلابی ندّی کی طرح
آنسو پھوٹ پڑے اور زمین! خونِ غلطیدہ زمین پُردرد التجائیں کر رہی ہے

لیکن انسان! ظالم و بیرحم انسان آج جاہلیت کی روایات دہرا رہا ہے۔ زندگی کی عبارت اس کے لئے بے معنی ہے اور چشم خشمگین میں بجلیوں کے سے پیچ و تاب!

افق تقدیر

زندگی حسبِ معمول گزر رہی ہے اس کی مسلسل یکسانیت نے مجھے وحشت زدہ کر دیا اور بے پناہ تسلسل نے روح کی گہرائیوں میں غرق الله! زندگی ہے یا کوئی لق و دق صحرا! یہاں نہ شجر سایہ دار ہے اور نہ قیام کی کوئی جگہ۔

ہر آنے والا دن اپنے نامعلوم راستہ کی طرف چلا جاتا ہے بے تحاشا بھاگتا جاتا ہے بغیر کوئی نقشِ پا چھوڑے نظروں سے غائب ہو جاتا ہے کہکشاں کی بعید ترین روشنی کے پار!

جیسے کوئی خزاں زدہ پتہ وسیع اور دھندلی خلاؤں میں کھو جائے۔

ستارے شب بھر آسمانی بلندیوں پر جھلملاتے ہیں اور انکی نیلگوں گہرائیوں میں شب بھر کے لئے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

کھلی ہوئی پنکھڑیاں ماہتاب کی زریں شعاعوں کو جذب

کرتی ہیں اور حدت آفتاب سے مرجھا کر گر جاتی ہیں۔

لیکن اللہ یہ حیات! مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ
ناکامیوں کی آماجگاہ ہے اور ہیبت ناک خوابوں کا مجموعہ۔
بیچارگی کے آنسو آنکھوں میں تھرتھرا رہے ہیں کبھی برق زدہ
درخت کی طرح روح پاش پاش ہے اور خیالات فضاؤں میں آوارہ!

مشرق کی طرف سے آفتاب منور ہو چلا۔ سنہرے اور قرمزی
بادل فضاؤں میں تیر رہے ہیں جیسے تقدیر کے فرشتے زندگی کے مسئلے
کو سلجھا رہے ہوں۔

نسیم سحر سمندری موجوں سے سرگوشیاں کر رہی ہے
جیسے حیات کے موضوع پر روشنی ڈال رہی ہو

افق کی سرخی دمبدم بڑھتی جاتی ہے۔ مالک! کہیں نوشتۂ
تقدیر تو نہیں پڑھا جا رہا۔ مسئلہ تقدیر تو نہیں حل ہو رہا۔

اداس اداس نگاہیں مشرق کی طرف تک رہی ہیں
افق تقدیر پر اپنا ساحل تلاش کرتی ہیں۔ ستارۂ سحر کے ابھرنے
کی منتظر ہیں اور اس کی بڑھتی ہوئی درخشانی کی آرزومند!

انسان

انسان! جسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے
جسے فرشتوں نے سجدہ کیا اور مالکِ دو جہاں نے زمین کا حکمراں بنایا
جس نے سینکڑوں پیچیدہ مسائل اپنی کمزور انگلیوں سے سلجھا کر رکھ دئے
سمندر کو اپنا تابعِ فرمان بنایا اور ہوا کو فرماں بردار۔
جو کتابِ مقدس کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ مذہب
کا محافظ تھا اور راہِ طریقت پر رواں۔ جس نے حقایق و معارف
کے مشکل سوال چٹکیوں میں حل کر دئے اور معصومیت میں ملائک
کا مقابلہ کرنا تھا

زمین نے افتخار سے اُسے اپنی وسیع آغوش میں بٹھایا اور
آسمان نے ضیا پاش نگاہوں سے عقیدت کے پھول برسائے۔
پر آہ! وہی انسان آج اپنی وجہِ ہستی اور مقصدِ نمود
بھول چکا ہے۔ جہل۔ عناد۔ آز اور کبر و نخوت نے اُس پر غلبہ کر لیا
آشتی و آزادی کے تحفے کو اُس نے جنگ و غلامی میں بدل دیا۔
اس سے روحِ انسانیت چھن گئی۔ اُس کی جگہ ایک
پیکرِ فریب و حسد ہے اور مجسمۂ ظلم و ستم۔ بُردباری و پاکیزگی پر

آج تشدد و بربریت حاوی ہے ...... ہلاکو کا استبداد اور چنگیز کا جور و ظلم دہرایا جا رہا ہے اور زمانۂ جاہلیت کی بھولی بسری دہشت انگیزیوں کی طرف رُجوع ہے۔

آہ انسان! قدرت نے اسے ایک بہت بڑا عطیہ دیا تھا لیکن اُس نے اس کی قدر نہ کی۔ اس سے جائز فائدہ نہ اُٹھایا اور اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی ارزل المخلوقات ہو کر رہ گیا۔

آج انسانیت اُس کے ہاتھوں نالاں ہے اور اُسکی چیرہ دستیوں پر انگشت بدنداں ..... اُس کی معصومیت معصیت میں بدل گئی اور مذہب پر مادیت چھا رہی ہے

پوشیدگی

شہر کے عالیشان محلات سے دور! ان فلک بوس عمارتوں سے بہت دور! اک خستہ و ویران سا گاؤں آباد ہے۔

یہاں کے حیات پرور نظاروں اور سکون بخش سیرگاہوں سے کہیں دور! اک خاموش اور کہنہ سا گاؤں بس رہا ہے

پُر رونق بازاروں اور زرق برق پوشاکوں سے

تاحدِ امکان دور اک ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں چند فلاکت زدہ روحیں سانس لے رہی ہیں

کشاکشِ حیات کا دیوانہ وار مقابلہ کر رہی ہیں اور آہ کے شعلوں کو اشکوں سے بجھا رہی ہیں۔

جہاں سرمایہ داری کا سایہ تک نہیں پڑا ہر طرف بڑھتی ہوئی مفلسی ہے اور خوفناک عُزلت ۔

صرف بگولے کارواں در کارواں چکّر کاٹتے ہیں یا ہوا آہیں بکھیرتی رہتی ہے ...... اس کے علاوہ نہ وہاں کبھی زر کی جھنکار سُنی گئی اور نہ آسودگی کی پُکار۔

صرف سرمایہ داری کے کچلے ہوئے انسان ہیں۔ جو اُبھرنے کی ناکام کوشش میں ہر بار لڑکھڑا کر گر جاتے ہیں یا بربطِ ہستی کے شکستہ تار ہیں جنھیں حسرتوں نے نکمّا کر دیا۔

اس کے سوا نہ لکشمی دیوی کی کرم فرمائی ہے اور نہ مایا دیوی کا سایۂ عاطفت ۔

تم اِن سے کتنی ہی نفرت کرو، کتنا ہی کترا کر دُور بھاگو لیکن اگر تمھیں حیات کی تہہ تک پہنچنے کی آرزو ہے تو دیکھو اور غور کرو کہ تمھارے دھتکارے ہوئے انھیں غریبوں

کی آہوں میں رازِ حیات پوشیدہ ہے۔ ان کی اشک آلودہ آنکھوں میں تھرتھرا رہا ہے اور دلِ پژمردہ کی دھڑکن میں نہاں رازِ حیات! جس کے لئے تم اس قدر سرگرداں ہو اُسے غریب کی جھونپڑی میں ڈھونڈو۔ اس کے نالوں میں تلاش کرو اور اُس کی افسردگی میں تیرتے ہوئے دل میں جھانک کر دیکھو۔

شاعر

طلوعِ آفتاب کی زرّیں کرنیں پہاڑی چوٹیوں کو جگمگا رہی ہیں۔ قرمزی اور سنہری بادل دوشِ نسیم پر اُڑتے پھرتے ہیں اور دھوپ کے سائے گیہوں کے کھیتوں پر متحرک ہیں۔

صبح کا روح پرور وقت ہے اور منظر ایسا حیات بخش! جیسے فضا میں کوئی عمرِ خیّام کی رباعیات پڑھ رہا ہو لحنِ داؤدی سے اور دھیرے دھیرے۔

ایسے پُرکیف سمے میں شاعر فکرِ سخن میں مستغرق ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر! اسے یک لمحہ فرصت نہیں کہ دریچہ سے جھانک کر اپنے دلپسند ماحول سے لطف اندوز ہو سکے۔ نیچر پرست

ہوتے ہوئے بوقلمونی نیچر سے بھی کچھ تقویت حاصل کرے۔

کوہستان کے دامن میں آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ اُفقی بادلوں کو خونی رنگت دیتا اور کائنات کو الوداعی نگاہوں سے تکتا

مغرب کی سرد ہوا پتّوں کو سرسرا رہی ہے اور سارسوں کے جھنڈ آسمان پر اُڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔

منظر مسرور کُن ہے اور پُر سکون! لیکن فطرت کا پُجاری شاعر اپنے تخیلات کی دنیا میں کھویا ہوا ہے جیسے کائنات اور اُس کی دلفریبیوں سے بے نیاز ہو اور گرد و پیش کے ماحول سے بیگانہ نکھرے ہوئے آسمان پر تارے ڈبڈبا رہے ہیں

جیسے نیل کے دریا میں چاندی کی مچھلیاں تیر رہی ہوں، سیاہ بادلوں کے ٹکڑے اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے ہیں اور رات کی مشکیں نسب شہزادی آگے بڑھ رہی ہے آہستہ آہستہ اور خرامِ ناز سے! لیکن شاعر خواب فراموشی میں غرق ہے خیالات کے تلاطم خیز سمندر کی لہروں میں کھویا ہوا ہے اور امواجِ تخیل میں بہہ رہا ہے

فکرِ شعر اُسے اتنی بھی تو مہلت نہیں دیتی کہ حُسن منظر کی پرستش کیلئے اس قدر بے قرار تھا اُسے محض ایک نظر تو دیکھ لے ——

اے کاش!

اے کاش! میں اس قابل ہوتی اور اس سعادت کے لائق!! کہ اپنے قلب کو گہرائیوں تک چیر کر ایک کشتی بناتی۔ اُسے اپنے شبنمی آنسوؤں سے سجاتی۔ معصوم آرزوؤں کا بادبان لگاتی اور تمنّاؤں کے پتوار سے بڑھاتی۔

اور پھر اس ننھی سی کشتی کو تمھارے مقدّس قدموں سے مَس کراتی نجاتِ اُخروی حاصل کرنیکے لئے اور فلاحِ دارین سے فیضیاب ہونے کو

اللہ! کیسا حیات بخش ہوتا وہ وقت!! جب تمھارے پاک وجود سے میری بے جان کشتی حرکت میں آجاتی اور خود بخود آگے بڑھنے لگتی۔ بادِ مخالف کی مخالفت کی پروا کئے بغیر اور بادِ موافق کی موافقت سے بے نیاز۔

اے کاش! پھر میں اپنے اس سرمایۂ حیات کو دور لے جاسکتی۔ بہت دور!! ان غیر مرئی مقدّس وادیوں میں لے جاتی جو اُفق کے اُس پار آباد ہیں جہاں فرشتوں کی سی پاک روحوں کا مسکن ہے اور ان کے گرد دائمی مسرتوں کے حصار۔ جہاں پھولوں میں کانٹے نہیں ہوتے بلکہ اُن کے

لبوں پر ایک ضوفشاں مسکراہٹ چھائی رہتی ہے جہاں حیاتِ فانی کی تاریکیوں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑتا بلکہ اک ابدی روشنی ہر چہار طرف چھائی رہتی ہے۔

اور وہاں! اُس مقدّس سرزمین میں، میں اپنا عرصۂ حیات صرف کر دیتی۔ تمھارے قدموں کے نیچے اپنی جنّت تلاش کرتے کرتے وقت گزار دیتی! مسرور اور شاد شاد!! اے کاش ہیں اپنے حرماں نصیب دل کی کشتی بنا سکتی اور تمھارے مقدّس سائے میں اُسے ساحلِ مُراد پر پہنچاتی ..... اک ہلکی اور فردوسی جنبش ہے! جیسے سفید سفید بادل روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھرتے ہیں۔

کاش! اے کاش!! میں اپنی اس آرزو کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتی! حیاتِ فانی کی سب سے بڑی تمنّا پوری کر سکتی۔

تسلّطِ خزاں

خزاں پھر مسلّط بر سر کائنات ہے فضا میں اک دہشتناک خوف سانس لے رہا ہے پرندے آشیانوں میں ساکت ہیں اور غنچے ٹہنیوں پر خاموش

سرسبز پتے فرطِ الم سے زرد زرد پڑ گئے ہیں کسی الم رسیدہ کے رُخِ پُرملال کی طرح زرد زرد۔

خزاں کے دستِ تعدّی کا شکار پتے فضا میں اُڑتے ہیں۔ اُن کی کھڑکھڑاہٹ سے اک اُداس سا راگ پیدا ہو رہا ہے جیسے غم کی دیوی اپنا ستار بجا رہی ہو۔

آہ! جور و استبداد کے سرد پنجے آگے بڑھتے ہی جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کے تمام شیاطین مل کر اپنے منحوس پر پھڑپھڑا رہے ہوں۔

ہوا سسکیاں بھرتی ہوئی چل رہی ہے اور میں نگاہ یاس سے اس اُداس منظر کا مشاہدہ کر رہی ہوں دل کسی بچھڑے ہوئے پرند کی طرح سہما ہوا ہے اور روح بیمار کی کراہ کی طرح اُداس اُداس

خزاں کے دستِ تعدّی نے سینکڑوں قلوب کھلنے سے پیشتر ہی مرجھا دئے۔

سمندر دم توڑتے ہوئے مریض کی طرح سانس لے رہا ہے لہریں ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر آہ و زاری کرتی ہیں ...... آسمان بے رونق ہے اور زمین کا چہرہ زرد زرد! جیسے نبضِ کائنات میں دورانِ خون تھم گیا ہو۔

میری اشکبار آنکھیں اس منظر کی تاب نہیں لا سکتیں۔ اس زہریلے ماحول میں دم گھٹا گھٹا جاتا ہے اور صدائے درد میں کانپتی ہوئی آواز فضا میں لہرا رہی ہے

اُف یہ خزاں! یہ بے رونق و افسردہ کُن خزاں!!

کشتیٔ طوفاں زدہ

وقت کے تلاطم خیز سمندر پر اک پرکاہیدہ کی طرح بہہ رہی ہے ہر شوریدہ اور پُرغضب لہر اُسے نگلنے کو تیار ہے اور سمندر کی گہرائیاں اپنی آغوش میں لینے پر کمربستہ! اس پر بھی زندگی کی طوفاں زدہ کشتی بڑھتی جا رہی ہے۔ کسی طلسمی کشش کے زیرِ اثر آگے کو کھنچ رہی ہے ...... لرزاں و خیزاں! جیسے اک قطرۂ شبنم ہوا کے جھونکوں سے کانپ رہا ہو۔

امواجِ وقت کی حرکاتِ مد و جزر اسے پنپنے نہیں دیتیں۔ اور طوفانِ حیات لمحہ بہ لمحہ اپنی گرفت تیز کر رہا ہے اس پر بھی لہراتی اور بل کھاتی کشتی بڑھ رہی ہے۔ ناہموار چٹانوں سے ٹکر کھا کھا کر بچ رہی ہے۔

بکھرے ہوئے آسمان پر ڈبڈباتے ہوئے تارے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے سیمیں مچھلیاں تیر رہی ہوں لیکن وہ تو مسرور ہیں اور کسی فراموش نہ ہونے والے خواب میں محو۔

فضاؤں میں بادل تیرتے پھرتے ہیں خوشنما اور دلفریب بادل! ہاتھوں میں ہاتھ لئے ناچتے چلے جاتے ہیں شعر و لطافت کی دنیا میں بہہ رہے ہیں لیکن آہ یہ کشتی! زندگی کی طوفان زدہ کشتی! اس کا کہیں ٹھکانا نہیں ساحل دور ہے اور طمانیت کہیں بعید۔ تو مالک! کوئی جھاگ بہاتی لہر اس کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیتی۔ حشر تک کیلئے ان گہرائیوں میں کیوں نہیں چھپا دیتی تاکہ یہ ہمیشہ کے لئے آسودگی خواب حاصل کر سکے اور کھویا ہوا سکون

خاتون

اک زہد شکن تصویر تھی اور ملائک فریب چہرہ! محبت کا مجسمہ تھا اور حسین پیکر! اُس کے دل میں اک جہان مہر و الفت آباد تھا۔ وہ کائنات کی وجہ ہستی تھی اور دہر کی تخلیق کا باعث۔ وہ سب کچھ تھی لیکن کچھ نہ ہونے کے برابر! اس پر ذلّت و

نکہت وارد کی گئی ۔ زندہ دفن کیا گیا۔ اُس کا نرم و نازک جسم شعلوں کو چٹایا گیا اور آہنی زنجیروں میں جکڑا گیا۔

ستم پر ستم ! کہ اُس کی آغوش میں پروان چڑھنے والوں نے اُسے اسیر کیا۔ ذلیل و خوار کیا اور کہیں بھی پناہ نہ لینے دی۔

اُس کے نالے فرشتوں کے دِل دہلا دیتے عرشِ اعظم تھر تھرا اُٹھتا اور بوڑھی دنیا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے۔

لیکن مرد ! ظالم و بیرحم مرد کا دل نہ پسیجتا ! وہ اسے نگاہِ رعونت سے دیکھتا۔ اسکی بیچارگی پر متفخر ہوتا اور اُس کی آہوں کا مذاق اُڑاتا۔ ...... یہ سب کچھ تھا لیکن ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے والا کوئی نہ تھا اور نہ کوئی اُس کی مہر، الفت، وفا اور خاموشی کی داد دیتا۔

لیکن تا بہ کے ! ! یہ حالتِ جمود اور عالمِ بیکسی آخر کبتک رہتا فطرت کو اپنی اختراعِ فائقہ کی بے بسی کا احساس ہوا اور شدّت سے !

چنانچہ اُس غم زدہ کی اشک شوئی کے لئے ایک انسانِ مکمل بھیجا گیا جس نے اسے اپنے مقدس دامن میں پناہ دی۔ مرد کا "نصف بہتر" بنایا اور آبگینۂ ثانی۔ جنت کو اس کے قدموں کے نیچے رکھ کر اسے ارفع و اعلیٰ بنایا اور اُس کی

پاکیزگی پر مُہرِ یقین ثبت کر دی۔

یہ تھا اُس کے صبر کا میٹھا پھل اور قرنوں کے مظالم کا بدلہ۔

موسیقی

اللہ! یہ موسیقی کیا ہے؟ روحِ کائنات ہے یا شادابئ حیات! دنیائے لطافت ہے یا پاکیزگی کا نچوڑ۔

اکثر تاریک راتوں میں جب ازمنۂ ماضیہ کی یاد مجھے بے قرار کر دیتی ہے۔ ماضی کے پُراسرار افسانے شمعِ زندگی بنتے ہیں اور دلِ افسردہ کو اپنی سُہانی یاد سے جگمگانے لگتے ہیں۔

تو میری روح دہر کی ہنگامہ زائیوں سے بیزار ہو جاتی ہے یہاں کے ماحول سے اُچاٹ ہو جاتی ہے اور ستاروں سے آگے والے جہانوں میں پرواز کرنے کو ازخود رفتہ۔

اُس وقت! موسیقی کا کوئی سحر انگیز نغمہ ہوتا ہے کوئی جادو اثر گیت ہوتا ہے جو مجھے عالمِ خواب سے دنیائے حقیقت میں لے آتا ہے۔ روح کو ازسرِنو تازگی عطا کرتا ہے جس طرح بارش کا پہلا چھینٹا پڑتے ہی پہاڑی نالوں میں زندگی جاگ اُٹھتی ہے

سمندر کی گہرائی دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کائنات کی وسعت پر تحیّر اور فلک بوس پہاڑوں کی بلندی پر تعجّب۔

لیکن یہ اس قدر دیرپا نہیں ہوتی اور نہ ان کیفیات کی حامل! جو تیرے لئے میرے دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتی ہیں تیری مدبھری جھنجھناہٹ خوابیدہ روح کو جگا دیتی ہے اور مطلع حیات کو کچھ دیر کے لئے ہر قسم کے تفکّرات سے پاک کر دیتی ہے کاش! تیری مقدس اور لطیف آواز میرے لئے وجہ تسکین بنی رہے میری روح کو ہمیشہ بیدار رکھے۔ متبسّم اور رقصاں۔

مسرّت سے

مجھے سینکڑوں بار کسی معمولی سے واقعہ پر دھوکا ہوا کہ شاید تجھے مجھ پر ترس آگیا۔ تو مجھے مل گئی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساتھ دینے پر آمادہ ہے۔

لیکن آہ! خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ تُو تو اب بھی مجھ سے اتنی ہی دور ہے جیسے کسی بچے سے قوس وقزح۔

اور میرے خواب! میرے سنہرے خواب شرمندۂ

تعبیر جیسے چاند کی کرن بادلوں میں کھو جاتی ہے یا پانی کی لہر مچل کر مٹ جاتی ہے۔

بعض مرتبہ میرا افسردہ دل خود بخود مطمئن ہو جاتا اسے کھوئی ہوئی طمانیت مل جاتی اور روحانی خوشی۔ اور میں اس خیال میں کھو جاتی کہ شاید تو مجھے دنیا کے تفکرات سے چھڑانے آئی ہے لیکن آہ! یہ اطمینان ایسا برق آسا ہوتا کہ میری آرزوئیں خاک میں مل کر رہ جاتیں۔ اُمیدیں مایوسی میں تبدیل ہو جاتیں اور پُر نشاط لمحوں پر بڑھتی ہوئی اُداسی کا غلبہ ہو جاتا۔

میں تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی لیکن آہ! آج تک تیرے گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکی اور میری ہر سعی سعی ناکام ہو کر رہ گئی

بادِ سحر کے خوشگوار جھونکوں میں غنچوں کی معصومیت میں اور شبنم کی نزاکت میں تجھے ڈھونڈا لیکن بے سود۔

لڑکھڑاتی ہوئی کرنوں میں متبسم لبوں پر اور لمحات خوش آئند میں تیری تلاش کی۔ پر آہ! تو تو وہاں بھی نہیں تھی۔

میری اُمیدوں کے آسمان کی سطح پر ایک ستارہ بھی چمکتا نظر نہیں آتا۔

مسرت! آہ میں تجھے کیونکر پاؤں۔ تیرے حسین چہرے کی جھلک کیونکر دیکھوں؟

سنسناہٹ

رات تاریک ہے! کسی کے سوئے ہوئے نصیب کی طرح تاریک!! ہر طرف اک سنسناہٹ طاری ہے۔ لرزہ خیز اور روح کو کپکپا دینے والی سنسناہٹ۔

کبھی کبھی درخت سرد ہوا سے کانپنے لگتے ہیں یا نیلا آسمان اوپر سے جھانک لیتا ہے۔

اور یہ سنسناہٹ، ظلمت بداماں سنسناہٹ جو دم بدم بڑھتی ہی جاتی ہے۔ میرا دل خود بخود متفکر ہو رہا ہے۔ کسی غیر معمولی بوجھ تلے دبا جاتا ہے اور روح رنج والم کی گہرائیوں میں تیر رہی ہے جیسے کسی طلسمی اثر سے مرجھائی جا رہی ہو

جاڑے کی افسردہ وخاموش رات ہے۔ پھول سردی سے بے جان ہو چکے ہیں اور سوکھی ہوئی ٹہنیاں بہار کا ماتم کر رہی ہیں۔

اسا پر یہ سنسناہٹ! کسی جناتی سایہ کی طرح رقصاں سنسناہٹ۔

صنوبر اور دیودار کے درخت چپ چاپ کھڑے ہیں ہر طرف
خاموشی و تاریکی کی حکمرانی ہے۔ کبھی کبھی پہاڑی کے دامن میں اُلّو
کی آواز آجاتی ہے۔ اُف! اُس کی یہ منحوس اور ڈراؤنی آواز!

جو سنسناہٹ کو پہلے سے بھی زیادہ سنسان کر دیتی ہے
فضا میں تہلکہ مچ جاتا ہے اور روح پر خوف و ہراس طاری
ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اہرمن و شیطان مل
مل کر آہ و زاری کر رہے ہوں، ماحول کو اور بھی وحشتناک
اور رات کی ساعتوں کو تاریک تر بنا رہے ہوں۔

پژمردگی

بہار کا پُر کیف اور روح پرور موسم آپہنچا۔ کائنات
از سرِ نو زندہ ہو رہی ہے۔ درختوں نے ماتمی لباس اُتار پھینکا
اور موجیں زرّیں خواب دیکھنے میں محو ہیں۔

عندلیب خوش آئند آواز میں ملھار گاتی ہے
پھول خنداں ہیں اور کلیاں متبسم۔ دہر کا ذرّہ ذرّہ مسرور

ہے اور چپہ چپہ گلپوش۔

شعریت سے لبریز ماحول ہے اور نشاط آفریں مناظر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان مل کر ایک شعر بن گئے ہیں۔

لیکن ایک افسردہ دل کے لئے بہار کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبو میں ڈوبی ہوئی فضائیں بھی ویسی ہی ہیں جیسے خزاں کا بھیانک ماحول اور روح کو خاکستر کر دینے والے جھونکے۔

اس کے لئے پُرسرور نغمے بھی۔ غم آلودہ نوحوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ حسین و کیف آگیں شب چہاردہم ہے۔ کائنات اک بقعۂ نور بن رہی ہے۔ چرخِ نیلوفری پر تاروں کی کانپتی ہوئی تنویر ہے اور دہر کسی بُت گر کے خواب کی تعبیر۔

کبھی کبھی فرحت بیز ہوا پتّوں کو سرسرا دیتی ہے یا آبشار کے سُریلے نغمے روح پر وجد طاری کرتے ہیں۔

لیکن وہ پژمردہ ہستی! جس کے لئے دہر میں کوئی دلچسپی ہی نہ رہی ہو شبِ ماہ کو بھی شبِ یلدا سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ ماہتابی شعاعیں اُس کے دل کی گہرائیوں کو روشن کرنے سے معذور رہیں۔ اور ستاروں کی شوخ نگاہیں اس کی افسردگی زائل کرنے سے مجبور!

میں نہیں جانتی

میں نہیں جانتی! کہ وہ گمشدہ شے کیا ہے۔ وہ کھوئی ہوئی
آرزو کون سی ہے؟ جس کی پیہم جستجو میرے قلب حزیں کو بے قرار
کر رہی ہے نامعلوم بے چینیوں میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

اس نامعلوم شے کو روز روشن تلاش کیا لیکن بسیط
کائنات کے ذرہ ذرہ میں ڈھونڈا اور چپہ چپہ چھان مارا
مگر وہ آج تک نہیں ملی۔

بلبل کے نغموں۔ نوشگفتہ غنچوں کی مسکراہٹ
ستاروں کی شوخی اور بادِ سحر کے جھونکوں میں اسے بار بار تلاش
کیا مگر لاحاصل! آہ!! یہ تو محض اک سعیٔ ناکام تھی!

طلوعِ آفتاب کی زریں کرنیں اُس کا پتا نہ دے سکیں
وہ نورات کی تاریکی میں بھی نہ تھی اور نہ ہی حسین چاندنی میں موسیقی
سے معمور سکون میں۔ میں اُسے پانے سے معذور رہی۔

تو مالک! وہ نامعلوم سی شے کیا ہے اور کہاں ہے؟
جس کے نہ ہونے کا مجھے اس قدر احساس ہے وہ بربطِ دل کا چھینا

ہوا نغمہ! جس نے روح کے تاروں کو ساکت کر دیا اور افسردہ۔
اور یہ آرزو! جو میرے دل و دماغ کو پریشان کئے
ہوئے ہے میں اُس سے ناواقف ہوں۔ قطعی ناواقف!
اللہ! یہ کیسی بے پایاں خلش ہے جس نے میری
روح کو اس طرح بے قرار کر دیا جیسے پُرسکوت ساز کے
سینہ میں کوئی نغمہ متلاطم ہو۔ مجھے
مجھے تو اسی چیز کی تلاش ہے اُسی آرزو کے برآنیکی
تمنّا ہے اور اسی غیر مرئی شے کا تجسّس! جسے میں نہیں جانتی۔
جسکے وجود میں بھی مجھے شک ہے اور حقیقت و صداقت کا یقین نہیں۔

فرشتہ

لوگ کہتے ہیں کہ آسمانی بلندیوں پر فرشتے آباد
ہیں، کلیوں سے بڑھکر معصوم۔ پھولوں سے زیادہ حسین اور
قوس و قزح سے کہیں خوشرنگ پروں والے فرشتے! جو عالم
لاہوت کی مقدس فضا کو اپنے پاک وجود سے اور بھی جگمگا
دیتے ہیں۔ چرخ نیلوفری کے تقدس مآب ماحول کو اک قدسی رنگ

میں رنگ دیتے ہیں۔

لیکن ان فرشتوں جیسی پاکیزگی ایک اور شے میں بھی ہے جس میں کلیوں کی معصومیت اور پھولوں کا حسن ہے اور قوس و قزح کی سی دل فریبی۔

یہ ہستی قدرت کی اختراعِ فائقہ ہے اور بہترین عطیہ! صانعِ قدرت کی قابلِ تعریف صنّاعی ہے اور مصوّرِ فطرت کی سب سے اچھّی تصویر۔

یہ بچّہ ہے جو انسانی آرزوؤں کی شاندار تعبیر بنکر آتا ہے اور نا اُمیدی کے کفر سے بچنے کی تلقین۔

یہ لڑکھڑاتا ہوا ننّھا فرشتہ! ملائک آسمانی سے کسی صورت سے کم نہیں۔

جب ماہِ چہاردہم اپنی پوری طاقت سے جگمگاتا ہے تو ہزاروں نگاہیں اس کا طواف کرنے کو بے تابی سے اُٹھ جاتی ہیں اس کا حسن سب کو ششدر کر دیتا ہے اور سادگی مرعوب۔

مگر چاند کی خوبصورتی بچّے میں بھی موجود ہے اور اُسکی سادگی بچّے کی فطرت میں پوشیدہ۔

پھولوں کو اپنی شگفتگی پر ناز ہے اور بادِ صبا کو

اپنی اٹکھیلیوں پر فخر۔

لیکن یہ شگفتگی اور یہ خرام تو ایک اور ہستی میں بھی موجود ہے اور مع اپنی تمام و کمال خصوصیات کے لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر۔

قدرت کی تمام رعنائیاں بچے میں مجتمع ہیں اور تمام لطافتیں اس فرشتۂ ارضی میں موجود

سوزِ ناتمام

اس دہر میں سچی خوشی عنقا ہے اور مسرت روحانی نایاب ...... میں یہاں کی غیر مطمئن زندگی سے گھبرا گئی ہوں اس کی شورشوں سے تنگ آ چکی ہوں اور بڑھتی ہوئی الجھنوں سے اُکتا گئی ہوں۔

یہاں کے لوگ جب مسکراتے ہیں تو اُن کی پھیکی ہنسی میں غم کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ اُن کی روشن آنکھوں میں افسردگی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اور پژمردہ روحیں اور بھی جھکی جھکی جاتی ہیں۔

اللہ! میں یہاں کی لامتناہی جدوجہد سے پریشان

مجھے سکون کی جستجو ہے۔ سچی اور ابدی خوشی کی تلاش ہے۔ ندی ڈوبتے ہوئے آفتاب کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ آسمان کے نیلے نیلے سمندر پر ستارے پھولوں کی طرح کھل رہے ہیں اور میری زندگی اک بے رونق صبح کی طرح سوگوار ہے۔ خیالات فضاؤں میں آوارہ ہیں۔ اور روح درد کے مضراب سے چور چور!! آہ! اس دہر میں مسرت حقیقی عنقا ہے اور ابدی خوشی نایاب! میرا ناتوان جسم، حیات کے تفکرات برداشت کرنے کے ناقابل ہے اور روح رنج و الم کی گہرائیوں میں تیرتی ہوئی روح! وہ اس طرح کانپ رہی ہے جیسے کوئی کشتی تیز دھارے پر لرزاں ہو۔

ساعتِ موت

قافلوں کے اونٹوں کی مدھم صدائے جرس آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے طیور شام کو آشیانوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور تیرتے ہوئے جہاز آخر کار

ساحل پر آہی لگتے ہیں۔

لیکن اے موت! تیری آمد کا کوئی خاص لمحہ مقرر نہیں تو وقت پر بھی حاوی ہے۔

بہار کی چمکیلی صبح ہو یا خزاں کی بھیانک دوپہر! تجھے اپنے کام سے کام ہے۔ افسردہ سی سہ پہر ہو یا پُر سکون شام! حتیٰ کہ شب تاریک بھی تو تیری آمد میں حائل نہیں ہو سکتی۔ برستے ہوئے بادل۔ کائنات کو جل تھل کر رہے ہوں یا تشنہ لب زمین اک قطرۂ آب کو ترس رہی ہو۔ دہر گل پوش و شادماں ہو یا افسردہ و خزاں رسیدہ!!

تیرے لئے کسی قسم کی قید نہیں۔ تو تو موسم پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔

سمندر کی پر سکون سطح پر تجھ سے چھٹکارا نہیں۔ نہ ہی پیپل کے سایہ دار درخت بھی چھاؤں میں راحت ہے اور میدانِ کارزار کی تو باگ ڈور ہی تیرے ہاتھ میں ہے۔

تجھ سے کہیں پناہ نہیں، تیری عقاب جیسی آنکھیں کہیں پوشیدہ نہیں رہنے دیتیں اور تیرے سرد و خوفناک ہاتھ! وہ معانقہ کے لئے ہر وقت تیار ہیں

اور ہر لمحہ آمادہ :-

اوراق کیلنڈر

کیلنڈر کا آخری ورق دیوار پر سرسرا رہا ہے ایک اور دن شبِ یلدا کی تیرگی میں تبدیل ہو جائے ۔ پھر یہ بھی ماضی کا اک بھولا ہوا افسانہ بن جائے گا اور پھر لوٹ کر نہ آنے والا وقت!

ہر آنے والی شبِ عمرِ فانی کا ایک روز گھٹا دیتی ہے جیسے خزاں کے زرد پتے ٹہنیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جاتے ہیں غیر مرئی دادیوں میں منتشر ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی نظر نہیں آتے ۔

ہر رات ایک دن منظرِ کائنات سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔ کسی دیوانے کی بے معنی چیخ کی طرح ! جو فضا میں کھو کر رہ جاتی ہے ۔

لیکن ان سے وابستہ واقعات! کیا حساس دل انھیں بھی اس قدر جلد فراموش کر دیتے ہیں کیا وہ صفحۂ دل

سے بھی اسی طرح محو ہو جاتے ہیں۔

نہ معلوم چوبیس گھنٹوں میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے اور کیسے کیسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ کوئی نئی نئی آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں اور کتنی ہی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ کر دم توڑ دیتی ہیں۔

کتنے ہی ارادے ایسے ہیں جو ساحلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتے اور کتنے ہی ارمان زندہ رہنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں

معبود! طلوعِ آفتاب سے وقتِ غروب تک کتنی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ شاخِ حیات سے سینکڑوں گُل ٹوٹتے ہیں اور بے اندازہ پھوٹتے بھی رہتے ہیں۔ مذاہب مادیت میں بدل جاتے ہیں اور بہار پر خزاں غلبہ پا لیتی ہے۔

کئی منصور دار پر چڑھ جاتے ہیں اور بہت سے سرمد درجۂ شہادت کو...... جبینِ معصومیت کا سکّہ دہر پر بٹھا دیتے ہیں اور یزید شکارِ معصیت ہو جاتے ہیں۔ نہ معلوم کس قدر خلیل نذرِ آتش ہو جاتے ہیں اور نمرود بہ کیفِ کردار رسید!

کئی کلیم ساحل تک جا پہنچتے ہیں اور فرعون غرقِ نیل۔

اللہ! نہ معلوم کتنی روحیں اک روز میں جنگ کے

دیوتا کی بھینٹ چڑھتی ہیں سسکتے اور تلملاتے دم توڑ دیتی ہیں
اور میدان کارزار مدفنِ ارمان بن جاتا ہے۔

اوراقِ کیلنڈر! کوئی چاہے تو انھیں چشم زدن میں
پھاڑ کر پھینک دے نگاہوں سے اوجھل کر دے اور پردۂ دنیا سے نہاں
لیکن اس سے وقت کو کیا۔ وہ تو اب بھی سُبک رفتار
فاختہ کی طرح محوِ پرواز ہے۔ اپنی جالستانیوں سے کائنات کو
زیر و زبر کر رہا ہے اور بڑھتے ہوئے مظالم کا شکار۔

کیلنڈر کا آخری ورق بھی اب نوچ کر پھینک دیا
جائے گا۔ اس کے بعد یہ دن بھی اک بھولا بسرا خواب ہو کر رہ
جائے گا۔ ان ایّامِ گزشتہ کی طرح! جو کفنِ آفتاب
میں لپیٹ کر کھو گئے۔

اور اُس کے بعد سالِ نو کا نیا ورق! لیکن مالک
اُس وقت دنیا کس حال میں ہوگی۔ تقدیر کی اندھی اونٹنی
کہاں قیام کریگی اور وقت! ظالم و بے پروا وقت! کونسی کروٹ لیگا
میں بیقراری سے منتظر ہوں کہ دنیا کن معنوں میں
سالِ نو کا استقبال کرے گی۔ اُس وقت کائنات سکون پذیر
ہوگی یا شاعر کے دھڑکتے ہوئے دل کی طرح مضطرب۔

سالِ نو

رات اپنے بہار آفریں سانس بکھیرتی مسلطِ دہر ہو چکی
ہے ۔ مرتعش فضا میں نغماتِ چنگ و رباب تیر رہے ہیں جیسے
شفق زاروں میں مصروفِ پرواز فرشتے کے پر پھڑپھڑا رہے ہوں
بوڑھا وقت، سالِ نو سے ہم آغوش ہونے کو
آگے بڑھ رہا ہے۔

میں بے قرارِ دل اور آشفتگی سے اس منظر کا مشاہدہ
کر رہی ہوں۔ غلامی کی بندشوں میں جکڑی ہوئی روح زار زار ہے
اور خیالات فضاؤں میں چکّر کاٹ رہے ہیں۔

میری اُداس نگاہیں دنیائے تخیل کی سیر کرنے
لگتی ہیں جہاں قبل از وقت مُرجھائی ہوئی مادرِ ہند محوِ گریہ ہے
اُس کی کنول جیسی آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں۔ کسی ٹوٹی ہوئی
مالا کے دانوں کی طرح۔

دہر سے ناتواں جسم اس طرح لرز رہا ہے جیسے
تاریکی میں کوئی سایہ کانپ رہا ہو۔

ذرّہ ذرّہ پر فسردہ سی جنبش طاری ہے اور

آسمان سے بارانِ انبساط جاری ۔

لیکن مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جگمگاتے ہوئے
تارے متبسّم چاند ۔ لرزاں پتے اور رقصاں سبزہ ......
ہماری گرتی ہوئی حالت کا تمسخر اُڑا رہے ہیں ......
مادرِ ہند کسی چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح بے چین ہے
اور اُس کی روح جو کبھی کوہِ وقار تھی اور چٹان کی طرح
خوددار ۔ اب احساس کے نالوں سے پاش پاش ہو رہی ہے

گزرے ہوئے وقت کے قدموں کی آہٹ
مجھے چونکا دیتی ہے ۔ دور کہیں سے گھنٹی کی آواز سالِ نو
کا اعلان کر رہی ہے ۔ رات کی مشکیں لب شہزادی اُس کی
پیشوائی کو بڑھ رہی ہے ۔ طمانیتِ قلبی کی لہریں ہیں
اور مسرت کا دَور دَورہ ۔

میں اپنے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپتے ہوئے
لبوں کی پکار سنتی ہوں ...... یہ سالِ نو ہمارا اپنا
سال نہیں ۔ آتش کدۂ غلامی میں سلگنے والوں کو اس سے
لطف اندوز ہونے کا حق نہیں

سالِ گزشتہ کا ہیولیٰ ۔ دہر سے اس طرح غائب

ہو چکا ہے جیسے چاند کی کرن پردۂ سحاب میں کھو جائے
یا پانی کی کوئی لہر مچل کر مڑ جائے
اور میں پُر یاس نگاہوں سے آسمان کی طرف
تکنے لگتی ہوں جس کی سیاہ سطح پر ستارۂ سحر چمک رہا ہے

⁂

باہتمام ادہم [illegible] غلام حسین نے [illegible] آرٹ پریس [illegible] روڈ کراچی میں چھپایا